

# بنات و لغزش

دینی نذیر احمد

کشمیر کتاب گھر ۱۳۔ اردو بازار، لاہور ۲





# بناتِ لعش

ڈپٹی نذیر احمد

قیمت = ۱۰ روپے

ناشرانے

کشمیر کتاب گھر ۱۳ اردو بازار لاہور ۲

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

طابع	چوہدری رحیم بخش
مطبوعہ	کشمیر کتاب گھر لاہور
مطبع	افتخار انصاف پرنٹرز لاہور
تاریخ اشاعت	جنوری ۱۹۸۱ء
تعداد اشاعت	ایک ہزار
کاغذ	سفید پرتنگ
قیمت	دس روپے

# حَنِیْفًا

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شاہنشاہِ دو جہان نالائق کون و مکان کی حمد و ثنا اس واسطے کہ اقرار عبودیت ہے، فرض ہے مگر اس فرض کو بتمامہ کون ادا کر سکتا ہے۔

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادَ الْكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ  
أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا

ختم المرسلینؐ محبوب رب العالمین کی مدح و نعت اس لیے کہ اطہار ارادت واجب ہے لیکن اس کی بجائے پوری پوری پوری کس سے ہو سکتی ہے۔

لَئِنْ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ اَنْ يَّاتُوا بِمِثْلِ هٰذَا

الْقُرْآنِ لَآ يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

مرآة العروس کو پہلے پہلے چھپے ہوئے اب تیسری برس ہے اور جہاں تک مجھ کو معلوم

اسی دو سو اور برس میں اس کی کوئی آٹھ نو بلکہ دس ہزار جلدیں فروخت ہو چکی

ہیں اور ہر سمت سے طلب اور ہر طرف سے مانگ چلی آ رہی ہے۔ ایک بابو صاحب

اپنی بنگالی زبان میں ترجمہ کر رہے ایک پنڈت جی مہاراج بھاکا میں۔ اور نہ میری

استدعا و فرمائش سے بلکہ آرزو و خواہش سے پسند و قبول کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی۔

یہ کتاب اسی مرآة العروس کا گویا دوسرا حصہ ہے۔ وہی بولی ہے وہی طرز سے مرآة العروس سے تعلیم اخلاق و خانہ داری مقصود تھی اس سے وہ بھی ہے مگر ضمناً اور معلومات علمی خاصہ۔ تعلیم دینداری کا ایک مضمون اور رہ گیا ہے۔ اگر حیات مستعار باقی ہے اور پیٹ کے دھندے یعنی مشاغل خدمت سے اتنی تھوڑی فرصت بھی ملتی رہے جتنی کہ اب گرمی اور برسات کے دنوں میں نصیب ہو جاتی ہے تو انشاء اللہ بشرط خیریت اگلے سال تک وہ وہ بھی ایک کتاب کے پیرایہ میں پیشکش ناظرین کیا جائے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَسِيرَ أُنِيبُ

العبد

نذیر احمد و فقہ اللہ التزوید لغد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حُسن آراگی بد مزاجی اور شرارت

حُسن آرا کے مزاج کی اُفتاد ایسی بُری پڑی تھی کہ اپنے ہی گھر میں سب سے بگاڑ  
تھا نہ ماں کا ادب نہ آپا کا لحاظ۔ نہ باپ کا ڈر نہ بھائیوں سے ملاپ نوکریوں سے کہ آپ  
نالاں ہیں لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حُسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے  
رہتی تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حُسن آرا گھڑی  
و د گھڑی چُپ ہو کر بیٹھ جاتی لیکن شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی  
کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں۔ نہ گس روتی آئی کہ بیگم صاحبہ دیکھئے چھوٹی صاحبزادی  
نے اس زور سے پتھر مارا کہ میری آنکھ پھوٹے پھوٹے بیچ گئی سو سن نے آفریاد کی کہ  
بیگم صاحبہ چھوٹی بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ دیکھو سو سن تیری زبان جوں ہی میں نے  
دکھانے کو زبان نکالی نیچے سے ٹھوڑی میں ایسا مُکا مارا کہ سانسے دانت زبان میں بیٹھ  
گئے۔ گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے میرا کان خون خون ہو گیا۔ دائی چلائی کہ دیکھئے میری  
لڑکی کم سخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی پڑ گئی۔ با درجی خانے  
سے ماما نے دُائی دی کہ اچھی کوئی ان کو سمجھانا۔ سالن کی پتیلیوں میں تٹھیاں بھر  
بھر رکھ جھونک رہی ہیں۔ شاہ زمانی بیگم نے آواز دی کہ حسنا یہاں آؤ۔ خالہ کی آواز  
پہچان بارے حُسن آرا چلی تو آئی نہ سلام نہ دعا ہاتھوں میں رکھ پاؤں میں کچھ پڑی  
حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی خالہ نے کہا کہ حسنا تم بہت شوخی کرنے لگی ہو جس آرا  
نے کہا اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی۔ یہ کہہ کر خالہ لگی گوسے نکل لپک کر بے خطا

تصور سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ این این کرتی رہی ایک نہ سنی۔

## حسن آرا کو مکتب میں بٹھانے کی صلاح اور

### استانی اصغری خانم کا مختصر حال

تب قوشاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولیں ”بوا سلطانہ اس لڑکی کے لیے تو ازبرائے خدا استانی رکھو سلطانہ بیگم نے کہا باجی اماں کیا کروں بیٹیوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہیں ملتی۔“

شاہ زمانی بیگم بولیں ”ادنی بوا تمہاری بھی وہی کہاوت ہوئی دھندلہ ورہ شہر میں لڑکا بغل میں خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔“ سلطانہ نے کہا مجھ کو آج جہک اطلاع نہیں ہوئی دیکھو میں باجی آدمی بھیجتی ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی کوئی مولوی صاحب اس محلہ میں رہتے ہیں؟ باجی اماں کہتی ہیں ان کی چھوٹی بہو بہت پرٹھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گری کی نوکری کریں تو ان کو بلوالاؤ، کھانا کپڑا دس روپیہ پان زرنے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں اور جب لڑکی پہلا سپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی تو تنخواہ کے علاوہ بھی انشاء اللہ ہم استانی جی کو خوش کر دیں گے۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی اور پوچھا اچھی بی مولوی صاحب کی بی بی تمہیں ہو۔

ماما دیانت۔ ہاں یہی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔ کہاں سے آئیں؟

مانی جی۔ (گھر والی بی بی کی طرف مخاطب ہو کر) تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟  
محمد کامل کی ماں۔ کونٹھے پر ہیں۔



مانی جی۔ میں ان کے پاس اور پر جاؤں؟  
 دیانت۔ آپ اپنا پتہ نشان بتائیے بہو صاحب بہیں آجائیں گی۔  
 مانی جی۔ میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔ یہ سن کر محمد کامل کی ماں نے ناکہ تمام  
 سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی اور مانی سے کہا تمیز دار بہو سے کیا کام

سے۔  
 مانی جی۔ وہی آئیں تو کہوں "تمیز دار کے نیچے اترنے کا وقت بھی آگیا تھا کیونکہ عصر  
 کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشاء دونوں نمازیں  
 نیچے پڑھا کرتی تھیں اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو آستانی گری کی نوکری کے  
 واسطے کہتے ہوئے نامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں البتہ کہا کہ حکیم صاحب کو  
 اپنی چھوٹی لڑکی کی تعلیم کرانا منظور ہے بڑی حکیم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو  
 حکیم صاحب نے مجھ کو بھیجا اصغری نے کہا دونوں حکیم صاحبوں کو میری طرف  
 سے بہت بہت سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جو کچھ بڑا بھلا مجھ کو آتا ہے کسی سے  
 مجھ کو عذر نہیں ہے۔ اسی واسطے انسان پڑھنا لکھتا ہے کہ دوسرے کو  
 فائدہ پہنچائے اور بڑی حکیم صاحب کو معلوم ہو گا کہ میں اپنے میکے میں کتنی  
 لڑکیوں کو پڑھاتی تھی اور میرا جی تو بہت چاہتا ہے کہ حکیم صاحب کی لڑکی  
 کو پڑھاؤں لیکن کیا کروں نہ تو۔ حکیم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ میرا  
 جانا دیاں ہو سکتا ہے۔ مانی جی نے تنخواہ کا نام صاف تو نہ لیا مگر دینی زبان  
 سے کہا کہ حکیم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمہ داری بھی کرے گا جو موجود  
 ہیں۔ اصغری نے کہا کہ یہ سب ان کی مہربانی ہے ان کی ریاست کو یہی بات  
 زیادہ ہے لیکن ان کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں  
 رکھتا ہے۔ بے داموں کی لونڈی بن کر تو خدمت کرنے کو حاضر ہوں اور اگر

تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی اس کے بعد مانی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب یہ سنا کہ یہ تحصیلدار کی بیٹی ہے اور مولوی محمد فاضل صاحب بھی پچاس روپیہ ماہوار ہی کے نوکر ہیں تو مانی کو نہ امت ہونی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا مانی سرخند نوابی کے کارخانے دیکھے ہوئے تھی۔ لیکن اصغری کی شہسہ تقریر سن کر دنگ ہو گئی اور معذرت کی کہ نبی مجھ کو معاف کرنا۔ اصغری نے کہا تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔ اول تو نوکری کچھ گناہ نہیں عیب نہیں اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ عرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جا کر کہا کہ بیگم صاحب استانی تو واقع میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے۔ پاس بیٹھنے سے انسانیت حاصل کر لے سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے۔ ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے۔ لیکن نوکری کرنے والی نہیں تحصیلدار کی بیٹی ہے رئیس لاسو کی مختار کی بہو، گھر میں ماما نوکر ہے۔ والان میں چاندنی بچھی ہے چاندنی پر سوزنی اوپر سے گاؤں تک لگا ہے۔ اچھی خوش گذران زندگی بھلا ان کو نوکری کی کیا پرواہ ہے۔

شاہ زمانی۔ سچ ہے بوا سلطانہ تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔

مانی جی۔ لیکن وہ تو ایسی اچھی آدمی ہیں کہ محنت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔ سلطانہ۔ یہاں آکر۔

مانی جی۔ بھلا بیگم صاحب! جو نوکری کی پرواہ نہیں رکھتا۔ وہ یہاں کیوں آنے لگا۔

سلطانہ۔ کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی۔

شاہ زمانی۔ اس میں کیا قباحت ہے دو قدم پر تو گھر ہے اور مولوی صاحب

کو تم نے ایسا بے عزت سمجھا۔ بھائی علی نقی خاں کی سگی بھوپھی زاد بہن کے بیٹے  
ہیں۔

سلطانہ۔ آہ تو ایک حساب سے ہماری برادری ہیں۔

شاہ زمانی۔ تو خدا نہ کرے کچھ ایسے ویسے ہیں۔ پہلے ہی کا کام خوب بنا ہوا تھا۔

جب سے رئیس بگڑا بیچارے غریب ہو گئے ہیں۔ پھر بھی گھر میں ماما ہمیشہ رہی

ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی برابر رہتے ہیں۔

سلطانہ۔ خیر حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر

اصغری کے گھر آئیں باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبانہ سامان تھا لیکن

اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگم کی وہ مدارات ہوئی کہ ہر طرح کی چیز

وہیں بیٹھے بیٹھے موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر جو کھڑا لالچی چٹنیاں بچائے

بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب مزے کی گلوٹیاں تیار ہو گئیں۔

دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے ذرا اس لڑکی کو دل سے بڑھا دیکھو

اصغری نے کہا کہ اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے مگر دو چار حرف بزرگوں کی عنایت

سے آتے ہیں۔ انشاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھروسہ کر لوں گی

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم ایک اشرفی اصغری کو دینے لگیں اصغری نے کہا کہ اس

کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ پڑھوائی آپ سے لوں۔

سلطانہ بیگم نے کہا استغفر اللہ پڑھوائی دینے کے واسطے ہمارا کیا منہ ہے

بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔ اصغری نے کہا شروع میں تیرک کے واسطے سیر

آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔ یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا وہ کوٹھری میں

سے قاب بھر کر نکشیاں نکال لائی اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا



کو دی اور بھری قاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔ سلطانہ نے کہا اچھا تم نے مجھ کو نثر مندہ کیا۔ اصغری نے کہا۔ ہم بے چارے سے غریب کس لائق ہیں یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا کو پڑھا دوں سو خدا وہ دن کرے کہ میں آپ سے سُرخرو ہوں۔ "غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔"

## حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا اور لوندیوں کی بے جا خوشامد

یوں دیکھنے اور کہنے کو تو حسن آرا ایسی مکتب میں بیٹھی۔ مگر کوئی درجن بھر تو لوندیاں اس کے ساتھ تھیں اور کوئی کوڑی بھر سہیلیاں، لوندیوں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ بے ضرورت بھی ہر دم اور لحظہ چاروں طرف سے حسن آرا کو گھیرے رہتیں اور کچھ کام نہیں تو بات بات میں خوشامد۔ بات بات پر تعریف ذرا بیٹھک بدلی اور سب بول اٹھیں بسم اللہ بسم اللہ چھینک لی تو سب چلائیں شکر الحمد للہ مافی جی ہیں کہ چکے ہی چکے قل ہو اللہ کی نیسیاں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی ہیں۔ انا ہیں کہ بار بار ان لیکادوم کرتی جاتی ہیں۔ اور جو کہیں حسن آرا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کوئی جلدی جلدی پٹکھا جھلنے لگی کوئی چوری بار مالی پلانے کھڑی ہو گئی۔ کوئی بولی داری ماڈن گلوری کھالو یا گوٹے ہی کے دو دانے ڈال لو دیر ہوئی منہ بد مزہ ہو گیا ہو گا کوئی کہنے لگی صدقے گئی ایک گھونٹ نثر پتی لو۔ نگوڑے ہونٹ ہیں کہ سوکھے چلے جاتے ہیں پٹریاں بندھ گئی ہیں بھار میں جائے

لہٰذا ان لیکاد اشارہ ہے طرف ایک آیت قرآن مجید کے جو دفع نظر بد کے واسطے پڑھ کر پھونک دیا کرتے ہیں۔ وہ آیت یہ ہے۔

ایسا پڑھنا اور آگ لگے ایسے مکتب کو لڑکی کا منہ تو دیکھو کیسا ذرا سا نکل آیا ہے یہ کہہ کر جلدی سے پیک چٹا چٹ بلائیں لے۔ حسن آرا کو گلے سے لگا لیا جس شخص پر حسن آرا کی طرح ایسی لونڈیوں کا غضب الہی اور ایسے نوکروں کی بلا مسلط ہو اس کے مزاج کا درست رہنا عجب کی بات ہے۔ فرشتہ بھی ہو تو ایسی صحبت میں تو رہے تو یہ بھوت سے بدتر ہو جائے۔

## حسن آرا کی عادات

حسن آرا بے چاری بھی اسی آفت میں مبتلا تھی کوئی خرابی نہ تھی کہ اس کے مزاج میں نہ ہو اور کوئی بگاڑ نہ تھا کہ اس کی عادتوں میں نہ ہو۔ مکتب میں گئی تو ثمرات، بد مزاجی، بد زبانی، خود پسندی، بے باکی، جنگ جوئی، حسد، دروغ گوئی، بد لحاظی، تنگ چشمی، لالچ، بے صبری، سستی، بے ہنری، بد سلیقگی، اپنی قدمی سہیلیوں کو ساتھ لیتی گئی۔ چونکہ اُستانی جی خود ماشار اللہ امیر گھر کی بیٹی اور امیروں کے دستور اور قاعدے سے بخوبی واقف تھیں ان کو تو حسن آرا کے چہلے اور اس کے نوکروں کی ناز برداریاں دیکھ کر کچھ بھی اچنبھا نہیں ہوا مگر مکتب کی لڑکیوں کو اچھا خاصہ تماشامل گیا کیسا پڑھنا اور کس کا سبق یاد کرنا سب کی سب ٹکٹکی باندھ کر حسن آرا اور اس کی ساتھ والیوں کو دیکھنے لگیں۔ اصغری نے دیکھا اسی سنگت نے حسن آرا کو پیٹ بھر کر بگاڑا ہے اگر اب بھی یہ سنگ ساتھ موجود رہا تو تعلیم و تربیت کا اثر ہونا معلوم۔ مانی جی سے کہا کہ اب ان لوگوں کو اجازت دیجیے کہ گھر کا کام کاج دیکھیں۔ مکتب کی لڑکیاں ہیں کہ انہیں میں محو ہو رہی ہیں اور حسن آرا بگیم کا دل بھی اچاٹ ہوا چلا جاتا ہے۔ مانی جی سمجھ دار تو تھی ہی سننے کے ساتھ سب کو رخصت کا اشارہ کیا۔ مگر لونڈیاں چلنے کا نام سن کر بے طرح مچلیں۔ ایک نے کہا بھلا بے صاحبزادی بے بچھ کو ایک دم قرار

ہوگا۔ گھر میں مجھ سے بیٹھا جائے گا۔ دوسری بولی مانی جی ایسی نوکری کو سلام ہے۔ میں نے کچھ روٹی کپڑے کے لالچ سے نوکری نہیں کی ایک اس بچی کی محبت ہے۔ تنخواہ سے تو یہ ہے اور انعام ہے تو یہ ہے۔ ابی نوکروں کا مطلب یہ تھا کہ حسن آرا کے حیلے سے گھر کے کام دھندے سے بچیں۔ یہ سن کر اصغری نے کہا بوا بیگم صاحب سے بڑھ کر محبت کا دعویٰ تو دعویٰ ہے۔ وہی کہاوت ہے ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کتنی کہلائے۔ اور خدا نخواستہ رخصت نہیں وداع نہیں چار قدم پر گھر لگا ہے۔ مکتب میں دیکھتی ہو جگہ کی کتنی کوتاہی ہے۔ لڑکیوں میں تم سب کا اٹھنا بیٹھنا ان کے لکھنے پڑھنے میں ضرور صرح ڈالے گا بہتر ہے کہ اس وقت چلی جاؤ اپنا اپنا کام دیکھو۔ اس پر بھی دو چار نے عذر کیا کہ آخر صاحبزادی کو شکھا بھلنے پانی پلانے کو ایک دو آدمیوں کو ہرنا ضرور ضرور ہے۔ اصغری نے جواب دیا کہ ہم لوگ اپنا سب کام کارج اپنے ہاتھوں کرتے ہی ہیں اتنا کام بوا حسن آرا بیگم کا کر دیں گی تو ہاتھ گھسن نہ جائیں گے غرض کہ زبردستی اصغری نے سب کو دھکیلا مانی جی بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ بھی ایک کمنواب کے جزدان میں رکھ بغل میں داب لائی تھیں چلنے لگیں تو وہ جزدان حسن آرا کو دینے لگیں۔ اصغری نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔

مانی جی۔ بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ ہے۔ دیکھیے تو سہی کیا پاکیزہ خط ہے۔

اصغری۔ مگر بالفعل اس کی ضرورت نہیں۔

مانی جی۔ آخر صاحبزادی کو کیا شروع کر ایسے گا۔

استانی جی۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں۔

مانی جی۔ کچھ بھی نہیں تو پھر مکتب میں بیٹھنے سے حاصل۔

اصغری۔ مجھ کو ہتھیلی پر برسوں جمانی نہیں آتی حاصل حصول جو کچھ ہوگا چند روز میں

آپ ہی نظر آجائے گا۔ خلاف خواہش پڑھانا میرا دستور نہیں۔ پڑھنا پڑھانا بھی



کبھی فائدہ دیتا ہے جب پڑھنے والا خواہش کرے ورنہ مائے باندھے کچھ پڑھایا بھی تو کیا۔ اول تو ایسا پڑھایا د نہیں رہتا۔ دوسرے جب دل نہیں چاہتا تو زیر دست کرنے سے الٹا ذہن اور کند ہوتا ہے۔

مانی جی۔ سچ ہے۔ مگر بچوں کی خواہش پر ملتوی رکھا کریں تو پڑھنا لکھنا سب نیست و نابود ہو جائے۔

اصغری۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سب بچے شوق ہی سے پڑھا کرتے ہیں۔ مگر میں نے اپنا یہی دستور رکھا ہے کہ اول علم کا شوق دل میں پیدا کر دیتی ہوں۔ تب پڑھنا شروع کراتی ہوں۔

مانی جی۔ سبحان اللہ! شوق ہو تو پڑھنا کیا بڑی بات ہے۔ بے شوق سے برسوں میں نہ ہو اور شوق والا مہینوں میں کر دکھائے۔ مگر صاحبزادی تو پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتی ہیں ان کو تو خدا ہی شوق دے گا تو ہوگا۔

اصغری۔ اجی مانی جی انشاء اللہ ہی حسن آرا بیگم پڑھنے کے لیے ہاتھ جوڑیں پاؤں پڑیں منتیں کریں تب تو سہی غرض کہ ساتھ والیاں تو سب رخصت ہوئیں اب حسن آرا اکیلی اصغری خانم کے پاس رہ گئی۔ اصغری اول تو خود بڑی زیرک تھی۔ حسن آرا کے قیافے اور تھوڑی سی دیر کے طرز و انداز سے سمجھ گئی۔ دوسرے ایک محلے کا واسطہ بہت کچھ پہلے سے سن سنا چکی تھی۔ غرض جو دقتیں حسن آرا کی اصلاح میں پیش آنے والی تھیں اصغری سب جان گئی تھی۔ خیریت اتنی تھی کہ حسن آرا کے مزاج میں جہاں دنیا بھر کی خبریں تھیں ایک یہ اچھائی تھی کہ ذہن اور سمجھ اُٹھانے کے علاوہ نیک ذات بھی تھی فوراً اس کا دل اچھی بات کا اثر قبول کر لیتا تھا۔ اور اگر اس سے کوئی خطا ہو جاتی اور نرمی سے اس کو متنبہ کر دیا جاتا تو قائل اور نادم ہو کر اپنی حرکت پر تاسف اور تلافی مافات میں کوشش

کرتی۔ اتنی ہی بات کا سہارا تھا کہ اصغری خانم نے اس کی تعلیم کا بیڑا اٹھالیا۔ اصل میں حسن آرا کا مزاج نہایت نیک تھا۔ ناز پروردگی اور دولت مندی سے جن خرابیوں کا پیدا ہونا ممکن تھا وہ البتہ درجہ غایت اور اس کے مزاج میں اثر کر گئی تھیں۔ حسن آرا جب مکتب میں بیٹھی تو اصل خیر سے گیارہویں برس میں تھی اور ہر چند اس وقت تک مکتب میں لڑکیوں کی کچھ بہت بھینٹ بھاڑ نہ تھی تاہم اصغری کی زندگی زبیدہ۔ کلثوم۔ حلیمہ۔ کنیز فاطمہ خیر النساء حاجرہ، شہربانو دوس لڑکیاں مکتب میں بیٹھی تھیں۔

## مکتب کی لڑکیوں کا حال

یہ لڑکیاں کچھ حسن آرا کی طرح سب کی سب امیرزادیاں تو تھی نہیں اکثر تو پیشہ وروں کی بیٹیاں تھیں اور بعض خوش باش نوکری پیشہ لوگوں کی۔ اگرچہ حسن آرا کے مقابلے میں سب کی سب غریب تھیں مگر بمقابلہ یک دیگر کوئی زیادہ خوشحال تھی کوئی متوسط الحالی کوئی نہایت غریب اور جس طرح ان کی حالتیں متساوت تھیں ان کی صورتیں اور سیرتیں ضرور ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ مگر مکتب کی تعلیم نے سیرتوں کے اختلاف کو بالکل مٹا دیا تھا۔ یہ لڑکیاں باوجودیکہ کئی گھروں کی تھیں تاہم آپس میں ایسی ملی جلی رہتیں کہ گویا سب کی سب سگی بہنیں ہیں نہ ان میں کوئی لڑائی ہوتی نہ کبھی کسی طرح کی رنجش پیدا ہوتی صورتوں کے اختلاف کا رفع کر دینا تو اصغری کے اختیار میں نہ تھا اتنا البتہ کہ دیا تھا کہ کسی کے نزدیک اختلاف صورت کی کچھ وقعت باقی نہ رہی تھی جو رنگ کی اچلی اور گوری چٹی تھی وہ کبھی سیاہ فام کالی بھٹ کو نظر حقارت سے نہ دیکھتی نہ اپنی صباحت پر ناز کرتی اور جس کا نقشہ اچھا تھا وہ کم رد سے نفرت نہ کرتی اور نہ اپنے چہرے ہرے کو دیکھ کر خوش ہوتی امیری غریبی سے تو یہاں کچھ بحث ہی نہ

تھی کوئی نہیں جانتی تھی کہ امیری کیا بلا ہے اور غریب ہونا بھی کچھ حقارت کی بات ہے۔ حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا تھا کہ صورت شکل اور امیری غریبی کے مضمون تازہ ہو گئے۔ اور حسن آرا آتے کے ساتھ ہی غریبوں کو دیکھ کر لگی نیوری چڑھانے اور منہ بنانے پاس بیٹھنا تو درکنار سر سے سے غریب لڑکیوں کا مکتب میں ہونا اس کو ناگوار ہوا اور صورت شکل پر تو حسن آرا کو اس بلا کا گھنڈہ تھا کہ بعض لڑکیوں کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دیتی اور بے تامل کہہ بیٹھتی ”شکل نہ صورت بھاڑ میں سے نکل“ محمودہ اور حسن آرا سے ایک طرح کی پہلی جان پہچان تھی۔ دو چار دفعہ کسی کی شادی بیاہ میں دیکھنے بلکہ بات چیت کرنے کا اتفاق بھی ہوا تھا سو قاعدہ ہے کہ آدمی جو کسی نئی جگہ جانا چاہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اپنے کسی جان پہچان والے سے اسے لاگت ہے حسن آرا، محمودہ کے پاس تو بیٹھتی ہی تھی چپکے چپکے مکتب کی لڑکیوں کا حال محمودہ سے پوچھنے لگی۔

## حسن آرا کا مکتب کی لڑکیوں کو نظر حقارت سے دیکھنا

### اور محمودہ کا اس کو قائل کرنا

زبیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کیوں بوا محمودہ بیگم یہ سامنے والی چھپک رو لڑکی طباق کی روٹی کا سامنہ لیے ہوئے کون ہے۔ یہ کہہ کر حسن آرا آپ ہی آپ ہنسی اور اس امید سے کہ محمودہ بھی ایسی پھبتی سن کر پھرک جائے گی محمودہ کا منہ دیکھنے لگی۔ یہاں محمودہ پر اس کا بالکل الٹا اثر ہوا۔ منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر حسن آرا کی بات کو اس قدر حقارت سے سنا کہ اس کے چہرے سے یہ بات ظاہر ہو گئی اور بے رخ ہو کر جواب دیا کہ امیر خاں کی جو بیلی میں رہتی ہیں۔ زبیدہ ان کا نام ہے ان کے باپ فو کا کام کرتے ہیں۔



حُسن آرا۔ اچھی کیے رفوگر ہیں۔ بیٹی کے چہرے میں پاد بھر قہر لے کر دفن نہیں کرتے۔  
 محمودہ۔ بیٹی چھیک بھٹ نہیں ہے۔ منہ پھٹ ہوتی تو دفن کرتے۔  
 حُسن آرا۔ اور ان کے پہلو میں یہ دوسری کالی کالی کون ہے۔ جیسے سیدہ تاب کا  
 سیر فرش رکھا ہو۔

محمودہ۔ یہ بیجاری ایک غریب قلعی گھر کی بیٹی ہے۔  
 حُسن آرا۔ گھر کے گھر میں چہرے پر قلعی نہیں کرا لیتی۔  
 محمودہ۔ امیروں کے گھر قلعی کرنے سے فرصت نہیں ملتی ہوگی۔  
 حُسن آرا۔ اچھی یہ کونے میں کون لڑکی بیٹھی ہے اے ہے روتے میں اس کی صورت  
 کسی بد رفتار ہو جاتی ہے۔

محمودہ۔ روتے میں سبھی کی صورت بگڑ جاتی ہے۔

حُسن آرا۔ پیاری تو نہیں بگڑتی۔

محمودہ۔ آپ نے کیوں کر جانا۔

حُسن آرا۔ میں نے روتے میں اپنا منہ لٹینے میں دیکھا تھا تو خاصی پیاری پیاری صورت  
 تھی۔ بلکہ لال منہ ہو جانے سے چہرہ اور بھی گرم گرم نکل آیا تھا۔  
 محمودہ۔ روتی صورت کی تعریف میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ خیر آپ کو آپ کا  
 بسورتا ہوا حسن مبارک ہے۔ یہاں کوئی اس کا خواہاں نہیں۔

اسی طرح حُسن آرا نے اور دو چار پھبتیاں کہیں تو محمودہ نے کچھ داد نہ دی۔  
 آنحضرت آرا۔ کھسیانی ہو کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئی مگر چلے ہی دن سے امیری کے گم  
 میں حُسن آرا نے مکتب میں اپنا ایسا تسلط ٹھکانا شروع کیا کہ گویا سب لڑکیاں اس کی  
 لونٹریاں ہیں اور بے تکلف لگی سب پر حکم چلانے۔ اصغری خانم کو ابتداء میں اس کا  
 اہتمام ضرور تھا کہ حُسن آرا کو مکتب سے بے دلی نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ان کو بخوبی

معلوم تھا کہ اگر کہیں اس کا جی اچاٹ ہوا تو پھر ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے گی مگر یہ خدا کی بندی مکتب کی طرف رخ نہ کرے گی مکتب کی لڑکیاں تو حسن آرا کا طرز مدارات دیکھ کر کھٹک چلی تھیں اور ایک عام نفرت حسن آرا کی طرف سے سب کے ہو گئی تھی۔ جتنا حسن آرا اپنے تئیں کھینچتی لڑکیاں اُس سے کنارہ کشی کرتیں اور جس قدر وہ لڑائی کی لہتی لڑکیاں اس کو ذلیل سمجھتیں۔

اصغری نے اشارہ سے سب کو روک دیا اور محمودہ سے کہا کہ حسن آرا بہت اچھی لڑکی ہے اور بڑی عمدہ سہیلی تم کو باتھ لگی ہے تھوڑے دن صبر کرو۔ اس کو بد دل مت ہونے دو بے چاری طاثر وحشی کی طرح گرفتار قفس ہے۔ اگر کہیں تم نے اس کو بھڑکا دیا تو پھر پھر اکر اڑ جائے گی اور پھر نہ پکڑائی دے گی۔ اور اگر پرچا پایا تو دیکھنا کیسی کیسی میٹھی میٹھی صغیریں سناتی اور دونوں کو لہجھاتی ہے۔

غرض ادھر تو لڑکیاں دلدار ہی یہ آمادہ ہوئیں۔ ادھر آستانی جی نے پڑھنے لکھنے کا نام تک منہ سے نہ نکالا۔ پھر حسن آرا کو وحشت کی کیا وجہ تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں لڑکیوں سے ایسی بے تکلف ہو گئی کہ مدتوں ساتھ کھلی ہوئی ہے اور خود فرمائش اور تقاضا کر کے محمودہ کی گڑیاں کھلوائیں۔

## محمودہ کی گڑیوں کا گھر دیکھ کر حسن آرا کا تعجب کرنا

اگرچہ حسن آرا کے گھر گڑیوں کا بڑا سامان تھا۔ مگر یہاں محمودہ کی گڑیوں کو دیکھ کر نہایت ششدر ہوئی۔ حسن آرا کی گڑیاں بازار کی گڑیاں تھیں۔ صورت دیکھو تو بے سنگم جوڑے دیکھو تو بھدے جھوٹا مصالح کھوٹا کام نہ سلائی درست نہ ٹکائی ٹھیک مگر محمودہ کی سر سے پاؤں تک اُس کے اپنے ہاتھوں سے کارٹھی بنائی تھیں کہاں وہ بازار کی بیگاری کام کہاں یہ خانہ ساز حسن آرا نے گڑیوں کے لیے

بنا بنایا لکڑی کا گھر دو منزلہ پندرہ رپے کو مول لیا تھا اور اسی پر اترا تھی محمود نے  
 تیلیوں اور پتی کا نہایت خوبصورت خوش قطع مکان خود بنایا تھا حسن آرا کو محمود کی  
 گڑیاں دیکھ کر اول مرتبہ یہ خیال ہوا کہ ہنر اور سلیقے کے آگے مال و دولت بیچ ہے۔ اپنے  
 ہاتھ کے ہنر سے ہم وہ کام لے سکتے ہیں جو دولت سے نہیں نکل سکتا۔ بار بار حیران ہو کر محمود  
 سے پوچھتی اسے ہے یہ ننھا سا کار چوبی بڑا بھی تمہیں نے کیا ہے۔ اچھی سچ کہنا یہ پینگ  
 کے تکیے تمہیں نے بنائے ہیں۔ اس دھانی جوڑے میں تو مصالح تمہارا ٹانکا ہوا نہیں  
 لگتا۔ اس چمپنی کا کرتا تو ضرور استانی جی نے قطع کر دیا ہوگا۔ بھلا بتاؤ تو یہ پٹاپٹی کے  
 پردے کہاں سے لیے۔ یہ گنگا جمنی تاروں بھرا دوپٹہ کس نے دیا۔ بلا کے مویات  
 ہیں۔ غضب کے ازار بند ہیں۔ اسے لو اور سنو ابرق کے جھاڑ کاغذ کے پکھے ابری  
 کی دیاں اچی یہ تو دیکھو سینکو کی چلنیں۔ سرکنڈوں کے کھمبے غرض کہ محمود کی گڑیاں  
 دیکھ کر حسن آرا ایسی حیرت زدہ ہو گئی تھی کہ متعجب ہو ہو کر محمود سے کہہ دیتی تھی۔  
 محمود نے حسن آرا کے تمام تر تعجب کا ہی جواب دیا کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا ادھر اور  
 میرا ہی کیا پر دیا ہے اور کچھ بڑی بات نہیں۔ اگر آپ دوہینے بھی سینے پونے میں جی  
 لگائیں تو اس سے کہیں بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھ کو تو گڑیاں کھیلنے کا شوق بھی نہیں  
 استانی جی جب کوئی نیا کام سکھاتی ہیں تو میں پہلے پہل گڑیوں ہی پر ہاتھ صاف  
 کرتی ہوں۔ پس جو کچھ آپ نے دیکھا یہ میری شروع شروع کی مشق ہے۔  
 حسن آرا۔ دوہینے میں میں اس سے بہتر بنا سکتی ہوں۔  
 محمودہ۔ بیشک بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔  
 حسن آرا۔ بس اس میں سلائی ہی سلائی ہے۔  
 محمودہ۔ اور کیا اور سلائی کیسی بلکہ نرا گوتا اور تپچی کا کام ہے۔  
 حسن آرا۔ بھلا اتنا سینا مجھ کو دوہینے میں کیوں کر آجائے گا۔

محمودہ۔ اگر آپ جی لگائیں تو میرا ذمہ دو مہینوں میں خاصی طرح فراغت سے سیکھ جائیے گا۔

حسن آرا۔ ابھی تو مجھ کو دھاگا پر دنا بھی نہیں آتا۔ لوکل شام ہی کی بات ہے اتنا پتی تو اسی کا کرتہ ہی رہی تھی اور دیر سے سوئی میں دھاگا پر دہی تھی۔ آپ خیر سے عینک بھی ہر دم چڑھائے رہتی ہیں۔ پھر بھی خاک نہیں سو جھٹا دھاگانہ پڑا پر نہ پڑا میں جو کھیلتی کھیلتی جاٹھکی تو مجھ سے گڑ گڑا کر کہنے لگی اچھی بیٹی اپنی اتنا کا ایک کام نہیں کر دیتیں ذرا دھاگا پر دو۔ رعشے کے مالے میری تو انگلیاں کہہ میں نہیں ہیں۔ حرمت گلے سے تنگی پھرتی ہے۔ کسی طرح گونہہ لگانا کہہ کر تہ کھڑا کیا ہے۔ گریباں رہ گیا ہے میں نے بہت کوشش کی دھاگا تو ناک کے منہ پر آجاتا تھا مگر پرویانہ گیا تب تو میرا جی جل گیا اور میں نے سوئی اٹھا دور پھینک دی۔

محمودہ۔ کیسا ہی آسان کام ہو تھوڑی بہت محنت ضرور چاہتا تھا اور خاص کر سینا پر دنا تو بڑی پتے ماری کا کام ہے۔ دھاگا پر دینا تو کچھ بھی مشکل نہیں بل کے کھا جانے سے دھاگے کے سرے پر پھوسٹے نکل آتے ہیں۔ اسی کو جھکی سے مرد دے کر دیا دینا چاہیے۔ پھر تو شاید پر دتے میں دیر نہ ہو۔

محمودہ۔ ہاں ہاں ضرور یہی بات تھی۔ مجھ کو اتنے یہ حکمت نہیں بتائی۔ بھلا ایک سوئی دھاگا تو دیکھوں مجھ سے پر دیا جاتا ہے یا نہیں۔

محمودہ نے ایک بہت باریک ناکے کی سوئی اور بہت مہینے پیچک دھاگا دیا۔ حسن آرا نے دھاگے کے سرے کو جھکی سے مرد دہی جیوں ہی دھاگے کے سرے کو ناکے کے برابر لگا چلا کر تب تو خوشی کے مارے حسن آرا اچھل پڑی اور بولی آہا جی ہم نے دھاگا پر دیا۔ کیا مجھ کو سینا آگیا۔



محمودہ۔ سینا تو ابھی نہیں آیا مگر ذرا ہی سی کسر ہے۔

## محمود نے حسن آرا کو سینا سکھایا

غرض کہ محمود نے سیدھی تیچی لگادی اور آدھی باشت کے قریب حسن آرا سے سلوایا اس میں تین چار مرتبہ حسن آرا کے سوئی بھی چھپی اس سے ذرا اس کی ہمت سرد ہوگئی اور جیسے کہ دھاگا پر دہنے پر اچھلی کودی تھی یہ تیچی تھوڑی ہی سی تھی کہ جلدی سے محمودہ کو پکڑادی اور کہا کہ بوا یہ بڑا مشکل کام ہے۔

محمودہ۔ میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ سینے میں بڑی دیدہ ریزی اور محنت ہے لیکن دنیا میں اکثر عورتوں کو بڑی بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ دیکھیے چکی سینا کیسی محنت کا کام ہے مگر آخر سینکڑوں ہزاروں ہمیں جیسی عورتیں کرتی ہی ہیں اس کے مقابلے میں سینا تو کچھ بھی محنت کا کام نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دستور کی بات ہے کیسا ہی آسان کام ہو پتندی اور نا آموز کو مشکل معلوم ہوا کرتا ہے۔ یہ صرف آپ کی بے مشقی تھی کہ آپ نے چند بار سوئی ہاتھ میں چھولی۔ دیکھیے مجھ کو سیتے سیتے ایسی مشق ہوگئی ہے کہ اگر فرمائیے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی جاؤں ٹانگا بھی درست بیٹھا چلا جائے سیدھے ذرا فرق نہ آئے اور سوئی کے چبھنے چبھانے کا تو کیا ذکر۔ یہ کہہ کر باقی ماندہ تیچی محمودہ نے لے دونوں کپڑے برابر کر جو سوئی لگائی تو یا ادھر تھی یا دم کے دم میں اس سرے یا نکلی۔

حُسن آرا۔ دیکھوں کہیں سوئی تو نہیں لگی۔

محمودہ۔ نہیں تو یہ کہہ کر ہاتھ دکھایا۔

حُسن آرا۔ یہ آپ کی بیچ کی انگلی کھردری کھردری کیوں ہے۔ محمودہ نے ہنس کر کہا کہ سوٹیوں کے چھنے کے نشان تو نہیں ہیں۔ مگر میں اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ یہ ہے سینے کی بدولت۔ مجھ کو انگشتانے کی عادت نہیں۔ بعض کپڑا کلفت یاد بیڑ ہوتا ہے کہ سوئی آسانی سے نہیں نکلتی۔ تب ایک طرف سوئی کو چٹکی سے کھینچنا پڑتا ہے اور بیچ کی انگلی سے ناک کے کوسہارا لگانا ہوتا ہے۔ یہ اسی کے نشان ہیں۔

حُسن آرا۔ تو پھر کچھ مبتدی پر موقوف نہیں سینے میں سبھی کی انگلیاں لہو دہان رہنی ضروری ہیں۔

محمودہ۔ بڑا تعجب ہے کہ آپ ایسی بے معلوم تکلیف کو بڑی مصیبت خیال کرتی ہیں۔ ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی تکلیفیں نہ معلوم صبح سے کتنی شام تک پہنچ جاتی ہیں۔ کھیلتے ہی میں کہیں چوٹ پھیٹ لگ جاتی ہے۔ پھوڑے پھنسی ہوتے رہتے ہیں۔ آنکھیں ہی دکھنے آجاتی ہیں گرمی سردی کی اینداز سے زکام ہو جاتا ہے۔ بخار آنے لگتا ہے۔

حُسن آرا۔ لیکن ایک مجبوری کی تکلیف جس پر اپنا بس نہیں اور ایک اپنے ہاتھوں آفت مول لینا بھلا کیا ضرورت ہے کہ بیٹھے بٹھلے میں اپنی انگلیوں کو زخمی کروں۔ آنکھوں کو ستاؤں گردن کو دکھاؤں جس کی ناک پر ٹکار کھ دیا جیسا چاہا سلوا لیا۔

محمودہ۔ کیا دوسرے کا محتاج ہو کر رہنا تکلیف کی بات نہیں۔

حُسن آرا۔ محتاج ہو کر رہنا کیسا خدانہ کرے ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے۔

# مجموعہ کا حسن آرا دانا بک غنی تراند محتاج تراند کا مضمون سمجھانا

مجموعہ۔ محتاج کے سر میں کیا سینگ لگے ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر محتاجی اور کیا ہوگی کہ آپ کا ایک دن بھی بے نوکروں کے نہیں کٹ سکتا۔ بھلا میں پوچھتی ہوں ماما نہ ہو تو کھانا کون پکائے، منہ کون دھلائے، اور پنکھا کون جھلے، چیز کون اٹھا کر دے، چار پانی کون بچھائے۔ بچھونے کون کرے۔ گھر میں جھاڑو کون دے سے یہ تو لہو زمرہ کے کام ہیں۔ کھانا۔ کپڑا۔ برتن اور زیور ضرورت کی کل چیزیں چھوٹی یا بڑی یہاں تک کہ پانی پینے تک کا مٹی کا آب خورہ کنگھی سوئی سلائی کیا آپ نے اپنے ہاتھوں بنائی ہیں یا لوگوں نے آپ کو بنا کر دی ہیں۔ اس پر بھی آپ کہتی ہیں کہ خدا نہ کرے ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے۔

حسن آرا۔ بیشک ضرورت کی سب چیزیں اور لوگ بناتے اور ٹہل خدمت بھی اور لوگ کرتے ہیں مگر کیا کوئی چیز ہم کو مفت دے جانتا ہے اور کیلے لیے کوئی ٹہل خدمت کرتا ہے۔ ہر چیز اور ہر کام کے لیے ہم روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ روپیہ کے لالچ سے لوگ خود بخود چیزیں لیے وورٹس چلے آتے ہیں۔ بے بلائے ٹہل خدمت کرنے کو حاضر ہوتے ہیں۔ روپیہ ہو تو گھر بیٹھے دنیا کا سامان لے لو۔ اور نوکر تو ایک صبح رکھو اور ایک شام۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ دولت بڑی چیز ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

اور تمام دنیا اس کی محتاج ہے۔

ممودہ۔ آپا بیگم صاحب آپ بڑی غلطی کرتی ہیں۔ بھلا اگر لوگ آپ کی دولت کی پرواہ نہ کریں اور کوئی روپے کا خواہاں نہ ہو تب آپ کیا کیجیے گا۔  
یہ سن کر حسن آرا تو چپ ہوئی اور سوچ کر کہا تو یہ کہا کہ ایسی حالت میں سوائے مر رہنے کے اور کیا تدبیر ہے۔ کام کاج ہم سے کچھ ہو نہیں سکتا اور فرض کیا کہ اوپر جبر سہا اور آپ اٹھ کر پانی پی لیا بچھونا اپنے ہی ہاتھوں کر لیا تب بھی کھانا پکانا تو ممکن نہیں اور مانا کہ کوئی سبج سا کھانا بھی مرگ کر پکا لیا کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ اماں جان سو بیاں اور خشکا ابا ل لینا جانتی ہیں۔ مگر ضرورت کی اور ہزاروں چیزیں ہیں۔ کپڑا کون بیٹے گا۔ زیور کون گھڑے گا۔ لیکن کیا

ایسا بھی ممکن ہے کہ دولت کی قدر روپے کی خواہش نہ ہو۔

ممودہ۔ بیشک ممکن ہے۔ بہت دن ہوئے مجھ کو آستانی جی نے ایک کتاب پڑھائی تھی اس میں لکھا تھا کہ ابتداءً دنیا میں بہت مدت تک اشرافی روپے پیسے کا چلن کچھ بھی نہ تھا۔ اس زمانہ میں لوگ کھیتی کے کام سے بھی ناواقف تھے اور جس طرح اب ہر طرح کا غلہ اور انواع و اقسام کی ترکاریاں اور میوے اور پھل پھول لوگ محنت کر کے زمین میں پیدا کرتے ہیں ان دنوں کچھ بھی نہیں جانتے تھے سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے جانور مار لاتے اور انہیں کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتے تھے یا جنگل میں جو ساگ پات از خود جم اٹھتا ہے جانوروں کی طرح اس کو کھا لیتے یہ زرق برق اور تکلف کے کپڑے جو اب اس زمانہ میں ایسے سستے ہیں کہ ہر ایک غریب آدمی کو بھی میسر آجاتے ہیں۔ پہلے ان کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا۔ جانوروں کے چمڑے اور ڈھاک وغیرہ کے پتوں سے بدن کو ڈھانکنے اور عالی شان محلوں کی جگہ درختوں کی چھاؤں اور پہاڑوں



کی کھوڑوں میں پانی اور سردی گرمی سے پناہ لیتے۔ جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی گئی آدمی اپنے آرام کے لیے نئے نئے پیشے اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے گئے۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ ایک آدمی ہر ایک طرح کا کام آپ اکیلا کر لیتا۔ اور ہر طرح کی چیز آپ بنا لیتا۔ اس سبب سے کسی نے ایک کام کیا اور کسی نے دوسرا۔ کوئی کھیتی کرنے لگا کوئی لوہا بنا، کوئی بڑھئی، کوئی سنار، کوئی جولاہا، کوئی موچی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھیتی والا سب کے لیے کھانے کا غلہ پیدا کرے، لوہا بنا کر مقررہ وغیرہ لوہے کی چیزیں بنائے۔ بڑھئی ہل چار پائی چوکی، کرسی وغیرہ لکڑی کی چیزیں۔ سنار زیور گھڑا کرے۔ جولاہا ہر قسم کے کپڑے بنے اور آپس میں ضرورتوں اور چیزوں کا مبادلہ کر لیا کریں، چندے اسی طرح بے روپیہ بے سکہ دنیا کا کام چلا کر آخر کار مشکلیں پیش آنے لگیں جس کو کتاب والے نے یوں لکھا ہے کہ اب فرض کرو کہ مثلاً موچی کو کپڑے کی ضرورت ہوئی اور وہ ایک بہت طرح دار جوتی بنا کر جو لاسے کے پاس لے گیا۔ گردن کا دانہ دار چمڑا بیٹھی ہوئی نوک کھڑی ہوئی ایڑھی کم بخت کے پان اور نچ دیوار کما یا ہوا تانجیے کی دخت اور کہا دیکھو تو شیخ جی کیا جوتی بنا کر لایا ہوں کیچڑ میں پھر دپکی سڑک پر دوڑو نہ تانگھے گا نہ صورت بگڑے گی۔ بھرا دکام نہیں۔ برس روز سے کم چلے تو اٹھی میرے سر مارنا۔ مگر مجھ کو گاڑھے کا ایک تھان چاہیے۔ آٹھ سے نہ ہو تو چھ سے پون گز کا پنا۔ جولاہا بولا کہ چوہدری جی جوتی تمہاری سرس اور تھان بھی جیسا تم چاہتے ہو موجود۔ سوت بھی گول ہے راجھ بھی پتی دار ہے خوب ٹھوک ٹھوک کر بنا ہے ماری کا نام نہیں مگر وہ پہلی جوتی جو تم نے بنا دی ہے ابھی تک نئی ہے۔

موچی۔ ارے شیخ جی! تین برس کی جوتی اب تک۔

جولاہا۔ کیوں! دن بھر کو کارگاہ میں بیٹھا رہتا ہوں۔ آٹھویں دن سینٹھ جانے کا اتفاق ہوا جوتی پر ایسی زبرد کیا پڑتی ہے۔ دوسرے بھائی تیس غریب آدمی ہوں پاؤں بھی ہولے ہولے رکھتا ہوں موجی بیچارہ نا امید ہو کر چلا آیا اور پہنچا سنار کے پاس کہ کیوں لالہ جی تم کو جوتی کی ضرورت ہے۔

سنار۔ ہاں بھائی اچھے آئے دس دن سے ننگے پاؤں پڑا پھرتا ہوں اور اس کے بدلے زیور بھی وہ بنا کر دوں۔ کہ تم آبرو اداری میں کسی کے یہاں نہ نکلے۔

موجی۔ اجی شاہ جی کہاں ہم اور کہاں زیور۔ مجھ کو دیکھو کہ چیتھڑے لگائے پھرتا ہوں۔ گھر میں بچوں کے پاس ٹوپی تک نہیں گھر والی پیوند گانٹھتے گانٹھتے بارگئی کپڑے کی ضرورت ہے۔

سنار۔ کپڑے کی ضرورت ہے تو شیخ غازی کے پاس جاؤ۔

موجی۔ گیا تھا۔ اس کے پاس جوتی موجود ہے۔

سنار۔ چلو دیکھیں شیخ غازی کو کچھ کہنا بنوانا ہو۔ سنار تھا کہ بیٹی کا بیاہ کرنے والا ہے۔ تو میں اس کو کہنا بنا دوں گا۔ تم مجھ کو جوتی دینا اور میں اس سے تھان لے کر تم کو دے دوں گا۔ اب سنار اور موجی دونوں پھر جلاہے کے پاس گئے۔

سنار۔ شیخ جی کہو بیٹے کا بیاہ کب کر دے؟

جولاہا۔ چودھری وہ بات تو بگڑ گئی۔

سنار۔ کیوں۔

جولاہا۔ وہ لڑکا بڑا خراب نکلا چور جو اداری بھانگ پیتا ہے۔

سنار۔ کچھ تم کو کہنا بنوانا ہے؟

جولاہا۔ ابھی تو نہیں۔ جب پھر نسبت ناٹھ ٹھہرے گا۔ دیکھا جائے گا فرض کہ پھر

بیچارے بوچی کی جوتی اینڈ کی اینڈ رہ گئی۔ جب ہر ایک شخص کو ایسی وقت پیش آنے لگی۔ تو سب نے مل کر یہ تجویز کی کہ چیز کا مبادلہ چیز سے ٹھیک نہیں ایک ایسی چیز ٹھہراؤ کہ ہر کوئی ہر ایک چیز کے بدلے اس کو لے لیا کرے ہو گیا اپنا بنایا ہوا جوتا اس کے عوض دیا کرے۔ سنا گھڑا ہوا زلیور جو لایا اپنا بنا ہوا تھا۔ تب سکہ چلا۔ پہلے لوہے کا سکہ تھا اور ایسا بھاری تھا کہ شاید سو روپے کی مالیت کے واسطے چھکڑا بھر بوجھ ہوتا تھا پھر تانبے اور چاندی اور سونے کے سکہ چلے کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں چمڑے کا روپیہ چلا تھا۔ اس میں بھی سونے کی کیل تھی۔ اب انگریزوں نے وہ انتظام بٹھایا ہے کہ کاغذ کا سکہ چلاتے ہیں ایک درق کاغذ دس، سو، ہزار، لاکھ روپے کا ہوتا ہے جتنا روپیہ کاغذ میں لکھا ہے جہاں چاہو بھالو نہ بٹھے۔ نہ دستوری۔ پس روپیہ اپنی ذات سے کسی کام کا بھی نہیں نہ اس کو نان خطائی کی طرح کھاتے نہ اس کو بنا کر گلے میں پہنتے ہیں۔ مگر جو چیز چاہو روپے کے بدلے اہلتہ لے سکتے ہو۔ پس حقیقت میں درکار ہوتی ہے وہ چیز اور اس کے حاصل کرنے اور ہم پہنچانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے اس روپیہ کی جس پر امیروں اور دولت مندوں کو اس قدر ناز ہے۔

حسن آرا۔ کیا ہی اچھی بات آپ نے مجھ کو بتائی۔ مگر یہ تو فرمایے کہ جب روپیہ ہر ایک چیز کا عوض ہو سکتا ہے تو جس کے پاس روپیہ ہے گویا وہ ہر ایک چیز کا مالک ہے اور ہر ایک چیز اس کے اختیار میں ہے تو ضرور روپیہ بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے اور روپے والوں کو جتنا ناز اور جتنا گھمنڈ ہو سب بجا اور درست ہے۔

گھموندہ۔ گھمنڈ کی تو کوئی چیز نہیں پاتی۔ روپیہ بے شک ہر چیز کا بدلہ ہے۔ مگر خود

اُس چیز کا کام نہیں دے سکتا۔ مثلاً فرض کر دو کہ ہم کو ایک جوتی کی ضرورت ہے۔  
 تو دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جوتی درکار تھی اور جوتی موجود ہے اور دوسری یہ  
 کہ جوتی تو موجود نہیں مگر روپیہ ہے جس کے بدلے ہم جوتی مول لے سکتے ہیں  
 یہ دونوں باتیں غور کیجیے ہرگز یکساں نہیں پھر بھی روپیہ لے کر بازار جائے اور  
 جوتی مول لائے فرض کیجیے کہ جوتی نہ ملی یا ملی اور قیمت نہ ٹھہری تو آخر روپے  
 والا مجبور ہے گا یا نہیں اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے مگر جوتی والا حقیقت  
 میں روپیہ کا محتاج نہیں بلکہ وہ اس چیز کا محتاج ہے جس کے بدلے جوتی  
 کی قیمت خرچ کرے گا۔ فرض کہ روپے والا زیادہ محتاج ہے اور اگر زیادہ  
 نہیں تو جوتی والے کے برابر ہی۔ پھر گھمنہ کس بات کا ہے۔ ایک چیز کا یہ  
 خواہشمند ہے یعنی جوتی کا اور دوسری یعنی روپے کا دوسرا۔

حسن آرا۔ لیکن روپے کے بدلے ہر وقت چیز میسر آ سکتی ہے۔

محمود ۵۔ یہ غلطی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیسے کی جگہ دو دینے کو موجود ہیں۔

اور چیز نہیں ملتی۔ میری اماں جان کبھی فدر کے حالات بیان کرتی ہیں کہ  
 سب لوگ بھاگ کر سلطان جی میں جا رہے تھے۔ روپے کا سیر بھرا آٹا تلاش  
 کرتے تھے اور نہیں ملتا تھا۔ دن بھر روڑے روپے لیے پھرتے تھے  
 اور شام کو بار کر خالی ہاتھ چلے آتے تھے۔ فدر کے سبب رسد کا باہر سے  
 آنا بالکل بند تھا۔ گاؤں والوں کے پاس جو رسد تھی وہ کہتے تھے کہ روپیہ  
 لے کر ہم کیا کریں گے۔ گھر میں تھوڑا بہت اناج رکھا ہے تو بال بچوں کا  
 سہارا ہے۔

حسن آرا۔ البتہ اگر ایسا اتفاق پیش آجائے تو روپیہ محض نکمٹا ہے۔ مگر کیا روز بروز غدا ہوتا ہے

یہ بھی خدا جانے کیا بات تھی۔ اب تو جس کے دولت ہے۔ وہی آسودہ ہے۔



ایک غریب خاندان کی آسودہ زندگی کی مثال

دیگر یہ ثابت کرنا کہ تکلفات موجب

زحمت ہیں اور آرام طلبی باعثِ کلفت

مجمودہ۔ دولت سے ہرگز ہرگز آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ اُستانی جی اسی ہسائی  
کا حال دکھا کر مجھ کو سمجھایا کرتی ہیں۔ کہ دیکھو کیا آزاد اور آسودہ زندگی اس کی ہے۔  
ایک آپ ہے ایک میاں ہے اور چار پانچ بچے ہیں تو بہت چھوٹے چھوٹے ہیں۔  
کچھ کام کاج کرنے جو گے نہیں۔ میاں کہیں نہر پر فسی ڈھویا کرتا ہے۔ آپ  
پسائی کا پیستی ہے۔ مکان میں جا کر دیکھو تو نہ تخت سے نہ فرش شاڈ ٹوٹی  
تین چار پائیاں ہیں۔ بے تکلف کھری چار پائوں پر سب بیٹھتے ہیں۔ برتنوں  
میں مٹی کے گھڑے مٹی کی ہنڈیا مٹی کے پیالے اور کابیاں اور لکڑی کی  
ڈوٹی اللہ اللہ خیر صلاح۔

حسن آرا سی آزاد اور آسودگی ہے۔ خدا دشمن کو بھی یہ عیش نہ دکھائے دنیا میں اس  
سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی۔ وہ اپنی جان سے ہلاک ہے۔ آپ کو اور  
اُستانی جی کو اس کی آسودگی پر شک ہے۔

محمود ۵۔ پہلے مجھ کو بھی اُستانی جی کے کہنے پر اچنبھا ہوا تھا۔ مگر مدتوں میں ہمسائی اور اس کے بچوں کی حالت پر غور کرتی رہی۔ آخر کو میں نے بھی سمجھا کہ اُستانی جی بہت سچ کہتی ہیں۔ سوچنے سے یہ معلوم ہوا کہ جسمانی آرام اور جسمانی تکلیفیں عادت پر موقوف ہیں جس کو محنت کی عادت سے وہ اُسی میں ایسا خوش رہتا ہے کہ ہم تکتے بڑے رہتے ہیں ہرگز وہ خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔

یہی ہمسائی میں نے دیکھا ہے کہ برسات کی چپ چپی گرمی بڑی رہی ہے اور ہوا بند ہے کہ پتہ تک نہیں ہلتا میں باہر صحن میں کھڑی برابر بیٹھا اپنے تئیں ہلائے جاتی ہوں اور ندیوں پسینہ نکلا چلا آتا ہے۔ دم بولا بولا اکھٹا ہے اور خدا سلامت رکھے بی ہمسائی میں کہہ دالان کے اندر اکیلی چکی پس رہی ہیں اور میں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ آپ خیر سے ایسی خوش ہیں کہ مزے میں کچھ کا بھی رہی ہیں۔ مجھ کو پہلے تو شبہ ہوا کہ اس حالت میں اس کو کیا خاک گانا سو جھا ہوگا۔ لیکن جب کھڑکی میں سے آواز دی تو نہایت ہشاش بشاش ہو کر بولی ”کیا ہے بیٹا اُستانی جی سے کہو دو چار گلے اور رہ گئے ہیں۔ آٹا میں اب لائی کہ لائی“ ایسی کراری آواز سے جواب دیا کہ کوئی بات تکلیف کی معلوم نہ ہوئی تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتی ہوں کہ آپ آٹا لیے ہستی چلی آتی ہیں، آٹے کے ساتھ باٹ ترازو لے آٹا تو لا چھانا مٹکے میں بھرا اُستانی جی نے کہا کہ ہمسائی آٹے کا مٹکا خوب اچھی طرح ڈھک دیا یا نہیں۔

ہمسائی۔ ہاں بی بی بڑا طباق ڈھک اوپر سے پھیری رکھ دی ہے۔

اُستانی جی۔ اچھا رخصت۔

ہمسائی۔ کیا اور پیستی نہ دو گی۔

اُستانی جی نے کتاب دیکھ کر کہا۔ نہیں ابھی ضرورت نہیں چار پانچ دن کا

اٹا ہے۔ برسات کے دن میں جہاں ذرا دیر ہوئی آٹے میں کسر سریاں پیدا ہو جاتی ہیں تلخانے لگتا ہے۔

ہمسائی۔ نابی بی بیستی تو دوسے ہی دو۔

اُستانی جی۔ کم بخت ایک دن آرام لیا کہ۔ یہ بلا کی گہمی پڑ رہی ہے۔ تیرا جی نہیں گھبراتا۔

ہمسائی۔ کیا کہوں کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے۔ جس دن پینا نہیں ملتا تمام بدن دکھا کرتا ہے۔ کھانا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھاتی پر دھرا ہے خالی بیٹھے کچھ آنکسی معلوم ہوتی ہے کہ جی نہیں لگتا۔

محمودہ۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھو مصیبت کی کیا کیا کچھ شکاوتیں ہو رہی ہیں۔ اُستانی جی۔ پیسے کو تو دوں مگر ہمسائی کیوں جھکتے ہوئے دیتی ہو اٹا اڑتا ہو کیوں ہوتا ہے۔

ہمسائی۔ گیہوں میلے موٹے تھے پہلے ہی گلے میں دلیا نکلنے لگا تو میں نے ذرا آنچ دکھا دی تھی۔ نہیں میں تو باہر ہوا میں بھی نہیں بیستی والا ان کے اندر پیسا کرتی ہوں جہاں ہوا کا گذر نہیں۔

اُستانی جی۔ کیا بتاؤں کئی دن سے راہ دیکھتی ہوں کوئی گدھ والا گلی میں بولے تو وہ بورے مٹی کے لے لوں۔ والا ان بھی لپ جاٹے اور چولہے بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ پھر سے لیس پوت ہو جائے۔ مٹی ہوتی تو میں تم سے چولہے بنا لیتی۔

ہمسائی۔ مٹی کا ملنا کیا مشکل ہے۔ ہمت باپ کے پاس تھوڑی دیر میں روٹی لے کر جائے گا۔ ادھر سے ایک ٹوکرا مٹی بھی بھر لائے گا۔ نہر کی مٹی چکنی اور پابدار ہوتی ہے۔

اُستانی جی۔ اگر مٹی آجائے تو کل پسانے کے بدلے یہی کام کرو۔ ہمسائی دعائیں

دینے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتی کیا ہوں کہ ہمت کی بہن چھوٹی کوئی دس برس کی ایک بڑا لڑکا سر پر رکھے آگے آگے اور بی ہمسائی تکیے پیچھے چلی آتی ہے۔ تگورڈی لڑکی کو دیکھ کر تو مجھ کو بہت ہی ترس آیا۔ مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کیا لائی سے لیکن میں نے جلدی سے دوڑ دوڑا زہ سے لڑکا اتر والیا دیکھوں تو نہر کی گیلی مٹی سے۔ میں نے کہا۔ اری تجھ کو خدا کی سنوار یہ تو نے کیا غضب کیا۔ تگورڈی اتنا بوجھ اتنے میں ہمسائی بھی آہنچی اور میں اس سے لڑنے لگی کہ ہمسائی ذرا تمہارے دل میں رحم نہیں۔ اس لڑکی کی بساط دیکھو اور اتنا بوجھ گھر سے یہاں تک لانا دیکھو لڑکی ایسی ہی دو بھر سے تو بلا سے تگورڈی کو ایک دن زہر سے کر سلا رکھو۔ واہ کوئی سوتیلی ماں بھی ایسا نہ کرتی ہوگی۔ لڑکا میں نے اتر دیا تھا۔ ایسا بھاری بوجھل پتھر تھا۔ کہ آدھی ہی دوڑ پر ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ نہر کی گیلی مٹی خدا کی پتاہ لوہا بھی ہلکا ہوتا ہے میرا تو اتنی ہی دیر میں دم پھول گیا۔ میں نے تو کس شدت سے ہمسائی کو الزام دینا چاہا تھا۔ لیکن ہمسائی نے سرسری طور پر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بیوی ہم غریب آدمی ہیں اور یہ غریب گھر کی بیٹی ہے۔ ہم کو تو دن رات بوجھ اٹھاتے گذرتی ہے۔ مٹی کی ٹوکری کی کیا حقیقت ہے۔ یہ تو اکیلی چار پائیاں اٹھائی لاتی ہے۔ پرسوں دھاتے کے لیے چکی کا پاٹ دروازے پر خمرے کو دے آئی تھی ہمارے نیچے امیر زادیوں کی طرح باریک جان اور نازک بگیم اور مہین خانم ہوں تو ایک دن بھی کام نہ چلے۔ ہمسائی لگی یہ بات سن کر مجھ کو ایسی ندامت ہوئی کہ پسینے پسینے ہوئی اور جی میں سوچی کہ الہی کیا بات ہے ای لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا تو نصیب نہیں ہوتا پھر اتنے قوی اور مضبوط کیوں ہیں۔ ایک دن میں نے استانی جی سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ سب زور اور سب ہوتا اور



سارا ایل محنت کا ہے۔ ہم لوگ دن رات اجدیوں کی طرح نکتے بیٹھتے ہیں۔ کھانا جیسا کھایا ویسا ہی پیٹ میں رکھنا نہ مضموم درست ہے نہ کھل کر بھوک لگتی ہے۔ سدا کے ردگی پیشہ کے دکھیا۔ کبھی قبض، کبھی پچش۔ آئے دن حکیم کے یہاں آدمی موجود۔ علاج کی عادت دوا کا معمول ہم لوگوں کے مزاج میں کہ چھوٹی موٹی کے درخت ہیں ذرا ٹھیس لگی اور کٹا کر رہ گیا۔ کوئی موسم ہو ہم کو کچھ نہ کچھ شکایت ضرور رہتی ہے۔ گرمی ہے تو کہیں درد کے مائے سر پھٹا پڑتا ہے۔ آنکھیں ملتتی ہیں ہتھیلیوں اور آنکھوں سے آگ نکلتی ہے۔ یونہی عمر بھر بھوک کو روکتے رہے گرمیوں میں رہی سہی بھی گئی گذری ہوئی نہ برف اور شوئے کے پانی سے تسکین ہوتی ہے نہ انار اور فالسے اور عناب اور نیلوفر کے ثمرتوں سے تسلی برسات آئی تو مکھوں اور پھروں کے واسطے وہ وہ اہتمام ہو رہے ہیں کہ گویا کسی بادشاہ کے ملک پر غنیم چڑھ آیا پوری جڑ کے سبب قوت باضمہ بالکل معطل ریح کا درد صبح کو شانوں میں تھا تو دوپہر کو کمر میں اور شام کو پنڈلیوں میں جاڑا آیا تو زکام اور کھانسی اور نزلے کو ساتھ لایا۔ اب سر ہے کہہ میں نہیں ایک ایک آرام طلبی نے ہم کو سب نعمتوں کے مزے اور سب آسائشوں کی لذت سے بے نصیب کر رکھا ہے۔ کھانے میں لاکھ لاکھ تکلف کیے مگر وہ ذائقہ نہ ملا جو غریب آدمیوں کو سوکھی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی میں ہر روز میسر ہے۔ نیند سدا اچاٹ رہی دن اور رات کو شمش کرتے ہیں کہ گھڑی دو گھڑی آرام سے سو رہیں مگر نیند ہے کہ ذرا کھٹکا ہوا اور کوسوں دور۔ مجھ کو اس ہمسائی کا حال دیکھ کر بڑی حیرت ہوا کرتی ہے ایک دن کا مذکور ہے کہ میں گرمی کے مائے رات کے وقت کوٹھے پر گھبرائی گھبرائی پھرتی تھی۔ دیکھتی کیا ہوں، ہمسائی کے پانچوں

بچے ایک کے اوپر ایک نہ بچھوٹا ہے۔ نہ تکیہ نہ پنکھا کھری چار پائی پر منے  
 میں خراٹے لے رہے ہیں چھ برس میرے بیاہ کو ہوئے میرے منہ میں خاک  
 میں نے تو کسی دکھ یا بیماری کی شکایت ہمسائی سے نہیں سنی فصل بدلنے  
 کو ہوتی ہے تو قاعدہ ہے کہ اچھے پھلے آدمی کو بھی دو چار دن کے لیے بخار  
 ہی آجاتا ہے مگر ماشاء اللہ نہیں آتا تو ہمسائی اور ہمسائی کے بچوں کو  
 یہ تو غریبی سے ہے کہ چولہا کبھی دو وقت نہیں سلگتا مگر بچوں کو دیکھو تو چوہنچا  
 تو انا بھلا یہ چھوٹی لڑکی تمہارے عندیے میں کے برس کی ہوگی؟  
 اُستانی جی۔ میرا چوتھا چالا میرے آئے پر ہوئی ہے تیرے چھ برس پورے ہو  
 چکے ہیں ساتویں میں لگی ہے۔ ماشاء اللہ کیا اچھا اٹھان ہے۔ محمود دیکھو  
 تم سے بھی نکلتی ہوئی ہے۔

حُسن آزا۔ یہ بات چیت ٹھیک ہے۔ ہمارے گھر بھی نوکروں اور لونڈیوں کا یہی  
 حال ہے۔ کھا کھا کر ایسے موٹے ہوئے ہیں کہ پہچان نہیں پڑتے۔  
 محمود۔ بھلا کیا سبب ہے کہ آپ لوگ گھر کی مالک مختار خدا کا دیا سب کچھ موجود  
 سب کچھ میسر اور بدن پر دیکھو بوٹی نہیں لونڈیاں لاکھ چوری کر رہی پھر بھی  
 گھر والیوں کی برابر ہی نہیں کر سکتیں۔

حُسن آزا۔ البتہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ محنت ہی سبب ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ جو  
 کام لونڈیوں کے کرنے کے ہیں ہم کیوں کرنے لگیں۔ اول تو ہونہیں سکتے اور  
 جو جان مار کر ایک آدھا کام کیا بھی تو اپنے ہی کنبے والے حقیر سمجھے لگیں۔  
 محمود۔ ہو سکتے اور نہ ہو سکتے کی کچھ نہ پوچھیے آدمی کے برابر سخت نہیں اور آدمی  
 کے برابر کوئی چیز نرم بھی نہیں۔ یہیں جیسی عورتیں ہیں جو ہلکی پیستی ہیں اور  
 وہ وہ کام کرتی ہیں۔ جو شہر کے بعض مردوں سے نہ ہو سکیں۔ اور یہی عورتیں

میں جس کو اپنی ہی جان دو بھر ہے۔ کام کا کیا ذکر اور محنت کا کیا مذکور جیسی عادت ڈالو ویسی ہی پڑ جاتی ہے اور کنبے والوں کو حقیر سمجھنے کی تو کوئی وجہ نہیں نوکر چاکر ہوتے ساتے اپنے ہاتھوں کام کرنے سے تو میرے نزدیک لوگوں کی نظروں میں اور عزت زیادہ ہونی چاہیے۔ کتنی خوبی کی بات ہے کہ ٹہل کو نوکر خدمت کو لونڈیاں ہوں اور اپنے ہاتھوں کام کرنا آدمی عار نہ سمجھے۔ آستانی جی کو دیکھو نوکر بھی ہے اوپر کے کام کو بھی ایک عورت نوکر ہے اتنی لڑکیاں مکتب میں بیٹھتی ہیں جھوٹوں بھی کہیں تو سچوں کام کو دہڑیں مگر پانی تک آپ اٹھ کر پیتی ہیں۔ یہ بات خدا کو کیسی بھلی لگتی ہوگی کہ دیکھو ہم نے اس بندے سے کو ایسا نوازا اور ایسا بڑھایا کہ اس کے ہم جنس اس کی خدمت اور تابعداری کو دیے مگر یہ کیسا نیک بندہ ہے کہ اس کو غرور چھو نہیں گیا۔ یہ اپنے تئیں اسی ناچیز سمجھتا ہے۔

حسن آرا۔ بھلا جو کام اپنے سے ہو ہی نہ سکے تو آدمی کیا کرے۔

محمودہ۔ اس کا جواب میں ابھی دے چکی ہوں کہ جو کام دوسرے آدمی کرتے ہیں۔ ہر ایک آدمی کر سکتا ہے۔ مگر خیر دنیا میں خدا جس کو دولت ثروت دے اور اگر بڑی محنت کے کام وہ بھی نہ کرے تاہم ہزاروں چھوٹے چھوٹے کام ایسے ہیں کہ بے زحمت ان کو کر سکتا ہے۔ ایسے کاموں میں آپ نہ ملنا اور ہمیشہ نوکروں اور خدمت گاروں کا محتاج رہنا بڑی بڑی بات ہے۔ ایک تو انسان آگے ہو جاتا ہے۔ آرام طلبی کی عادت چلے چکے بڑھتی جاتی ہے دوسرے کیسا ہی چھوٹا کام ہو آدمی اپنی مرضی کے موافق جیسا اپنے ہاتھ سے کر سکتا ہے نوکر کتنا ہی سلفہ مندا اور مزاج شناس کیوں نہ ہو کبھی نہیں کر سکتا۔ میں نے تو اپنا یہی قاعدہ رکھا ہے کہ لکھنے پڑھنے سے جتنا وقت بچتا ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ کام

کیا کرتی ہوں۔ دو برس ہوئے کہ میں اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے سینتی اور قطع کر لیتی ہوں۔ پکانے میں بھی بہت ربط ہو گیا تھا۔ اب تین چار مہینے سے ذرا کم ہو گیا ہے، پھر بھی گوشت میں ہی بگھارتی ہوں اور گھر میں جو کوئی نئی چیز کے تو میں ہی پکاتی ہوں۔

حسن آرا۔ آنا با تم کو پکانا بھی آتا ہے۔

محمودہ۔ آنا کیا ہے خیر غریبا موبھوں بھلس لیا۔ اُستانی جی کی مہربانی سے ایک اور چیز ذرا اچھی بننے لگی ہے۔ اور مجھ پر کیا منحصر ہے مکتب کی سب لڑکیاں جانتی ہیں۔ سب لڑکیوں نے سا جھا ملا یا ہے۔ کل کڑھائی پڑے گی۔ سامان آیا رکھا ہے۔ تلی تو ابھی جاتی اُستانی جی نے کہا۔ دن کے وقت گرمی بہت ہوتی ہے سو یہ تڑکے دھوپ نکلنے تلے تاکہ فراغت پا جاؤ۔ سو کل آپ بھی سیر دیکھئے گا۔

حسن آرا۔ سموسے بھی تلنے آتے ہیں؟

محمودہ۔ انشاء اللہ ایسے سموسے تل کر کھلاؤں نرم اور خستہ پتلے پرت کہ آپ بھی پسند کریں۔ مگر یہ فرمائیے کہ پیٹھے۔ سلونے سادے یا قیمہ بھرے؟

حسن آرا۔ پیٹھے۔

محمودہ۔ پیٹھے سموسے شہر بانو ایسے بناتی ہیں کہ سبحان اللہ!

# صبح بخیر می

حُسن آرا۔ مگر سویرے تڑکے تو میں نہیں آسکتی۔ میں تو کوئی پیردن چڑھے سو کر اٹھتی ہوں۔

پیردن چڑھے کا نام سن کر محمودہ بے اختیار ہنس پڑی۔

محمودہ۔ کیا آپ ہر روز پیردن اٹھا کرتی ہیں۔

حُسن آرا۔ ہر روز۔

محمودہ۔ سوتی آپ کس وقت ہیں۔

حُسن آرا۔ شام۔

محمودہ۔ بلا کی نیند آپ نے بڑھا رکھی ہے۔

حُسن آرا۔ میں نے بڑھا رکھی ہے۔ نیند بھی کوئی اپنے اختیار کی بات ہے۔ میری

آنکھیں تو کچھ دن رہے سے بند ہونے لگتی ہیں۔ اماں جان کھانے کے واسطے

مجھ کو بہلاتی ہی رہتی ہیں جب دیکھتی ہیں کہ یہ سوئی ہی جاتی ہے تو ناچار

کھانا کھلوا دیتی ہیں۔ پیردن چڑھے ہی میری آنکھ آپ سے نہیں کھلتی سوتی

کو زبردستی اٹھا بٹھاتی ہیں۔ کچی نیند جو جگا دیتی ہیں تو گھنٹوں نیند کا شمار

رہتا ہے۔ اسی واسطے دوپہر کو پھر کوئی دو چار گھنٹوں کے واسطے سو رہتی

ہوں۔

دوپہر کے سونے کا نام سن کر محمودہ پھر ہنسی اور کہنے لگی کہ اگر آپ کو جی بھر



کے سونے دیا جائے تو شاید آپ رات دن سویا ہی کہیں۔  
 حُسن آرا۔ کیا بتاؤں نیند کم بخت ایسی ٹوٹ پڑی ہے کہ کسی طرح مجھ کو سونے  
 سے سیری ہی نہیں ہوتی گھر بھر مجھ کو چھیڑا کرتا ہے اور چاہے کوئی بیماری  
 ہو۔ اباجان ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ تمام تر سونے کا فساد ہے۔ مگر کیا کروں  
 نیند پر قابو نہیں چلتا ہر روز ارادہ کرتی ہوں کہ آج سب کے ساتھ سوؤں  
 مگر جب وقت آتا ہے تو نیند کے غلبہ سے ایسا جی خراب ہونے لگتا ہے کہ  
 کچھ بن نہیں پڑتی۔ نیند کے آثار شروع ہوتے ہیں تو مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ  
 آج بڑا پکا وعدہ کر چکی ہوں۔ ابھی سے سو رہوں گی تو لوگ چھیریں گے۔  
 اور اس شرمندگی کے مارے جی مضبوط کر کے تھوڑی دیر سنبھلی بیٹھا جانا  
 نہیں پلنگ پر چھکی اور ادھر سے اماں جان بولیں ادھر سے اباجان لیکن  
 ان کی بات پوری بھی نہیں ہونے پاتی کہ بندی لیٹنے کے ساتھ خراٹے لینے  
 لگی۔ میرے لیے پیچھے جو لوگ کہتے سنتے ہوں مجھ کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔  
 محمودہ۔ اگر آپ دل سے نیند کو گھٹانا چاہیں تو کچھ مشکل بات نہیں میں آپ کو  
 بہت سہل تدبیر بتا سکتی ہوں۔

حُسن آرا۔ ہاں اس نظر سے کہ گھر بھر مجھ کو سونے کے واسطے چھیڑا کرتا ہے میں  
 بھی چاہتی ہوں کہ زیادہ نہیں تو سب کے ساتھ سوؤں اور اٹھ بیٹھوں۔  
 محمودہ۔ دو باتوں کا التزام کیجیے۔ اول تو یہ کہ نیند کو بہلانے کے لیے کچھ مشغلہ چاہیے  
 کہ طبیعت اُس میں مصروف ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص سو رہے اٹھنے  
 والا ہو۔ اُس پر تاکید کر دیجیے کہ جس طرح ممکن ہو جھنجھوڑ کر پانی کے چھینٹے  
 دے کر آپ کو ہوشیار کر دیا کرے اور اٹھنے کے ساتھ آپ منہ ہاتھ دھو  
 کو سنبھال کسی کام میں لگ جایا کیجیے۔ اول اول آٹھ دس دن خلافِ عادت

سویرے اٹھنے سے ایک خفیف سی گرانی اور درد معلوم ہوگا مگر پھر عادت ہو جائے گی۔ خود بخود آنکھ کھلنے لگے گی۔ اور گرانی سر بھی موقوف ہو جائے گی۔ بلکہ سویرے اٹھنے سے صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھا کر مزاج ایسا باغ باغ ہو جائے گا کہ دن بھر طبیعت بحال رہا کرے گی۔ میں بھی بلا کی سونے والی تھی۔ مردوں سے شرط باندھ کر سوتی۔ اُستانی جی ہر روز مجھ کو نصیحت کیا کرتیں کہ دنیا میں انسان اس واسطے نہیں آیا کہ سونے اور نکلے پڑے رہنے سے دن تیر کرے۔ خدا نے دن کام کے لیے بنایا ہے۔ رات کیا تھوڑی ہوتی ہے کہ دن کو بھی سویا کریں بہت سونے سے انسان کامل، غبی اور ذہن مٹھا ہو کر کند ہو جاتا ہے۔ آدمی کا وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ فرصت کا ایک ایک لمحہ مس غنیمت ہے۔ اس وقت میں ہو سکے تو لگ لپٹ کر علم و ہنر حاصل کر لیں کہ جس سے دنیا اور عاقبت دونوں درست ہوں۔ چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ سونا کم کر دیا یہاں تک کہ اب سب سے پیچھے سوتی اور سب سے پہلے اٹھتی ہوں اور بہ نسبت سابق کے میں اپنے تئیں زیادہ تندرست بھی پاتی ہوں مگر مکتب کی لڑکیاں غضب کرتی ہیں کہ گھر بھی ان کے چار چار چھوٹے پیسے ڈولی پر ہیں اور اندھیرے منہ یہاں آجاتی ہیں۔ آپس میں شرط لگا رکھی ہے کہ دیکھیں سب سے پہلے کون مکتب میں پہنچتا ہے۔

حُسن آرا۔ دیکھیے انشاء اللہ اب میں بھی ضرور اس کا انتظام کروں گی اور جس طرح بن پڑے گا۔ خدا نے چاہا تو کل کر لٹھائی چٹھنے نہ پائے گی۔ کہ یہاں مجھ کو پہنچا دیکھنا۔

محمودہ اور حُسن آرا آپس میں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ اتنے میں اُستانی جی نے آواز دی محمودہ! تم تو نئی سہیلی سے اس قدر جلد بے تکلف ہوئیں کہ

کون وقتوں سے باتیں کر رہی ہو اب تک تمہاری باتیں ہو چکیں پہلے ہی دن  
ایسا کیا صلاح مشورہ ہونے لگا۔

محمودہ۔ بلگیم صاحب تو نہایت اچھی آدمی ہے۔ دوہی باتوں میں میرا دل ان سے  
مل گیا۔ میں نے ان کو اپنی گڑیاں دکھائیں۔ مرآۃ العروس چند نپند وغیرہ سے  
طاعت شعاری اور صبح خیزی کے فائدے سنائے۔

اُستانی جی تم نے ایسی ایسی باتیں کر کے حسن آرا بلگیم کو کہیں تا خوش تو نہیں کیا۔  
حسن آرا۔ اُستانی جی ایسی ایسی اچھی عقل اور نصیحت اور فائدے کی باتیں محمودہ  
نے بیان کی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں سنی تھیں اور میرا جی ان باتوں سے  
نہایت خوش ہوا۔ صرف ایک بات البتہ میں کسی قدر ناپسند کرتی ہوں کہ یہ  
امیروں کی بہت مذمت کرتی ہوں۔

اُستانی جی۔ امیروں کی یا ان کے کردار کی۔

حسن آرا۔ کردار کی مذمت ہوئی تو امیروں کی ہوئی وہ ایک ہی بات ہے۔

اُستانی جی۔ نہیں ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر مطلق امیروں کی  
مذمت کی جائے تو اس سے مطلق دولت کی مذمت نکلتی ہے۔ حالانکہ دولت  
بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے۔ یہ سن کر حسن آرا نے محمودہ کی طرف دیکھا  
لیکن اگر دولت پا کر آدمی گھمنڈ اور غرور کرے اور یہ سمجھے کہ وہی سب  
میں بڑا ہے اور جتنے غریب ہیں حقیر اور ذلیل ہیں اور اس کی ٹہل اور خدمت  
کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ وہ آپ ہاتھ نہ ملائے اور دوسروں کی محنت  
سے آرام حاصل کرے اور دولت اس کو صرف اسی کے آرام و آسائش  
کے لیے دی گئی ہے اور غریبوں کو دنیا اور محتاجوں کی مدد کرنا اپنا فرض  
نہ سمجھے تو ایسی دولت دنیا کا جنجال ہے اور عاقبت کا ذوال۔

حُسن آرا۔ مجھ کو اس میں شبہ ہے۔  
 اُستافی جی۔ میں تمہارے سب شبہوں کو انشاء اللہ بخوبی رفع کر دوں۔ لیکن  
 اب وقت بہت کم ہے۔ سب لڑکیاں کہانیوں کی منتظر ہیں۔ کہانیوں کا نام  
 سُسن کر تو حُسن آرا اور بھی خوش ہوئی اور بے تاب ہو کر پوچھنے لگی۔ اچھی  
 کون کہانیاں کہے گا۔ آپ یا محمودہ۔

اُستافی جی۔ نہ میں اور نہ محمودہ بلکہ جس کی باری ہوگی۔

حُسن آرا۔ کیا ان سب لڑکیوں کو کہانیاں یاد ہیں۔

اُستافی جی۔ یاد تو شاید کسی کو بھی نہیں۔

حُسن آرا۔ پھر کہیں گی کہاں سے۔

اُستافی جی۔ بہت اچھی اچھی کہانیاں ایک کتاب میں لکھی ہیں۔ پڑھنا ان سب  
 کو آتا ہے۔ جس کی باری ہوگی وہی کتاب میں سے پڑھ کر کہانی کہے گی۔

## پڑھنے کے فائدے سُسن کر حُسن آرا کے دل

### میں شوق کا پید ہونا

حُسن آرا۔ جس کو پڑھنا آتا ہوتا ہو وہ کہانیوں کی کتاب پڑھے۔  
 اُستافی جی۔ بے شک۔

حُسن آرا۔ تو پڑھنا بڑی اچھی چیز ہے۔ ایک پڑھنا آجے تو سینکڑوں ہزاروں

کہانیاں آجائیں۔

استانی جی۔ پڑھنے کا یہ تو ایک ادنیٰ فائدہ ہے۔ سیکڑوں فائدے اور بڑے بڑے عمدہ ہیں۔ جن سے لکھا پڑھا آدمی مزے لیا کرتا ہے کہانیوں میں کو دیکھو کہ بعض مرتبہ جی چاہتا ہے کہ کوئی اچھی سی کہتا ہو تو سنتے اور ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ یا تو کسی کونسی کہانی آتی نہیں یا آتی ہے تو اس کو فرصت نہیں پس دل کا شوق دل ہی میں رہ جاتا ہے۔ پڑھنا آتا ہو تو کتاب اٹھالی اور بیسیوں افسانہ خوان ہاتھ جوڑا موجود ہوئے۔ اور نگوڑی کہانیاں بھی کسی فائدے کسی گنتی میں ہیں جی پڑھنا تو وہ چیز ہے۔ کہ اس سے ہر طرح کی ہوشیاری آتی ہے۔ جن کے منہ پر آنکھیں نہیں وہ ظاہر ہی کے اندھے ہیں۔ دل کے اندھے وہ ہیں جن کو علم نہیں دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں سو علم کے بدون دنیا بھی حقارت ہے اور دین بھی خراب ہے آدمی کسی حالت میں کیوں نہ ہو علم سے اس کو فائدہ ہی ہوگا۔ اگر مصیبت میں ہے تو علم اس کی ایسی نمگساری کرے گا۔ جو کسی درد مند سے نہ ہو سکے اور اگر خوشی میں ہے تو علم اس خوشی کو بے خرخشہ اور پائدار کرے گا۔ آسودگی اور قائم مزاجی اور استغنا اور سیرت جیسی علم سے حاصل ہوتی ہے نہ دولت سے حاصل ہوتی ہے نہ حکومت سے۔ واری جابیئے پڑھنے کے اور صدقے جابیئے کتاب کے۔ فرصت کا مشغلہ دل بہلاؤ گھر بیٹھے کی سیر استانی کی استانی اور سہیلی کی سہیلی جو عورتیں پڑھنا نہیں جانتیں کیسی بُری طرح ان کا وقت کٹتا ہے کہ معاذ اللہ اس کی غیبت۔ اس کی بدی مجھ سے لڑتے مجھ سے بھڑپا اٹھوانٹی کھوانٹی لے پڑ رہیں۔ پڑھنا آتا ہو تو کتاب ہاتھ میں لے لی جس ملک کی چاہا سیر کر کے پڑھنا حضرات کا ایک عجیب و غریب علم ہے جس کو چاہا پکڑ لیا اور اسی سے باتیں کرنے لگے۔



حُسن آرا۔ اچھی اُستانی جی پڑھنے سے یہ کرامت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔  
 اُستانی جی۔ بے شک۔ دیکھو اب یہ لڑکیاں کتابیں پڑھتی ہیں۔ گویا ان کے مصنفوں  
 سے جنہوں نے یہ کتابیں بنائی ہیں باتیں کر رہی ہیں غرض کہ علم جنت کا میوہ  
 ہے۔ جس نے کھایا ہے وہی اس کی لذت جانتا ہے کہنے اور بیان کرنے سے  
 اس کی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔ ہزاروں برس پہلے کی باتیں ایسی معلوم ہوتی  
 ہیں کہ گویا آنکھوں کے سامنے سماں بندھا ہوا ہے۔

حُسن آرا اُستانی جی مجھ کو بھی پڑھنا آجائے گا۔

اُستانی جی تم اور تمہاری لونڈیوں کو کرتے کی بدیا مشہور بات ہے علم کچھ کسی کی  
 میراث نہیں جو کرے گا اُس کو آئے گا۔

حُسن آرا۔ کتے دونوں میں۔

اُستانی جی۔ لوگوں نے عمریں صرف کر دیں۔ مگر علم کی نقاہ نہیں ملی پڑھتے پڑھتے  
 ایسی چاٹ بڑھتی جاتی ہے کہ انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اور رہا نہیں جاتا۔  
 کوئی مزہ ہو کبھی نہ کبھی دل اس سے بھر ہی جاتا ہے اور نہیں بھرتا تو علم سے۔  
 حُسن آرا۔ کیا کچھ بڑی محنت کرنی پڑے گی؟

اُستانی جی۔ ذرا بھی نہیں۔ تھوڑے دنوں جب تک تم کو عبارت پڑھنی نہ آجائے  
 البتہ طبیعت اُکتائے گی۔ اور عبارت پڑھنی آئی تو آڑ چلیں پھر تو تم کو ایسا  
 مزہ ملنے لگے گا کہ بے پڑھے تم کو ایک لمحہ چین نہ پڑے گا۔

حُسن آرا۔ عبارت پڑھتی کتے دونوں میں آسکتی ہے۔

اُستانی جی۔ تم ماشاء اللہ ذہین ہو۔ اگر خوب جی لگا کر سیکھو تو چار مہینہ میں۔  
 حُسن آرا۔ اس قدر جلد۔

اُستانی جی۔ اور کیا۔

حُسن آرا۔ اچھا تو مجھ کو پڑھنا شروع کر دیجیے۔

اُستانی جی۔ پڑھنا، ابھی جلدی کیا ہے۔

حُسن آرا۔ یہ دن تاحق ضائع ہو رہے ہیں۔

اُستانی جی۔ تم بہت سے برس ضائع کر چکی ہو۔ چند دن اور سہی۔

حُسن آرا۔ اچھی اُستانی جی! خدا کے لیے مجھ کو پڑھنا شروع کر ایسے۔

اُستانی جی۔ ابھی جلدی کیا ہے۔ شروع کرنا چند روز اور مکتب کارنگ ڈھنگ

دیکھو جب تم کو خوب یقین ہو جائے گا کہ پڑھنا فائدے کی چیز ہے تو پڑھنے

کی کیا کمی ہے۔ مکتبہ ماسی واسطے ہے اور میں ماسی واسطے ہوں۔ اچھا لڑکیو!

کس کی باری ہے اور کون سی کہانی ہے۔

زبیدہ۔ جناب میری باری ہے اور نواب مسیح الملک کی بیٹی کی کہانی ہے۔

وہاں تک ہو چکی ہے کہ جس بدو کی قید میں یہ لڑکی تھی اُس کی بیٹی خیراں

کا بیاہ قرار پایا مگر ارشاد ہو تو آگے کہہ چلوں۔

حُسن آرا۔ اچھی اُستانی جی اللہ سرے سے۔

اُستانی جی۔ ہاں بی زبیدہ! حُسن آرا کی خاطر پھر سرے سے خوب سمجھا سمجھا کر

کہہ چلو۔ زبیدہ نے کہانی شروع کی۔

# مسح الملک ایک بے رحم امیر کی حکایت کا آغاز

لال کنویں پر جو نواب بدل بیگ خاں ایک مشہور نواب رہتے ہیں۔ ان کے بزرگوں میں کوئی نواب مسیح الملک ہو گذرے ہیں۔ اہم تو ان کا بادشاہی طبیبوں میں تھا مگر بادشاہ کے مزاج میں کچھ ایسا درخود ان کو ہو گیا تھا کہ سلطنت کے کل معاملات ان کے اختیار میں تھے کہ متوسلاں شاہی کی دلجوئی غریبوں کی پرورش اور منطلوہوں کی داد رسی کرتے۔ لیکن انہوں نے تو کچھ ایسے ہاتھ پاؤں نکالے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک دنیا کوشاکی اور ایک عالم کو فریادی بنا لیا۔ جس سے سنو شکایت جس سے پوچھو گلہ صد ہا آدمی جو دس دس پشت کے ملازم اور موروثی تک خوار ہونے کی وجہ سے دل و جان سے خیر خواہ بادشاہ تھے نہ خطانہ گناہ موقوف کر دیئے۔ مسیح الملک کے آردوں کے سوائے کوئی شخص ایسا نہ بچا جس کی تنخواہ میں تھوڑی بہت کمی نہ ہوئی ہو۔ یونہی تنخواہ چھٹے مہینے ملا کرتی تھی۔ حکیم گدی میں تو برسوں پر نوبت پہنچنے لگی اور اس میں بھی کچھ ایسی کانٹ بھانٹے لگائی جاتی کہ دس والے کو چھ، چھ والے کو چار بمشکل پلے پڑتے۔ بیواؤں اور یتیموں اور ایاہجوں کی معافیاں بے دریغ ضبط کر لیں۔ بادشاہ تک ان سب باتوں کی فریادیں پہنچتی تھیں جب کبھی پوچھتے تو مسیح الملک یہ سمجھا دیتے کہ حضور والا خزانے میں لگا نہیں رہا۔ کر ڈوں کا قرض ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح ہو سکے قرض چکا دوں دو چار برس میں سب انتظام ہوا جاتا ہے۔ عمر بھر حضور کا تک کھلتے رہے اور اس سرکار کی بدولت، ہزاروں چین کے چند روز کے لیے اگر سب بل کر تموڑی تکلیف چھیل لیں تو حضور

بارِ قرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی بادشاہ یہ فرماتے کہ لوگوں کو بے دل مت کرو بلا سے میرے مصارف میں کمی ہو تو ہو لیکن نوکر دلوں کی تھوڑی اوقات سے ان کو مت ستاؤ۔ قرضہ چار برس میں نہیں تو دس برس میں ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہ تھوڑی اوقات کے لوگ زیادہ سختی کرنے سے تمام ہو جائیں گے۔ خدا نخواستہ اگر ان میں سے ایک بھی کھسکا تو ہزاروں روپیہ خرچ کرنے سے ایسا آدمی ملنا دشوار ہے۔ ان میں کا ایک ایک آدمی جانا بوجھا اور آزمایا ہوا ہے اور دیکھو جو چاہتا سو کرنا خیرات کی رقموں میں خیر دہ جو تم نے کمی کی ادل تو وہ خیرات ہی کیا ہے۔ جس کا حساب کیا جائے تو پہاڑ کے آگے رائی مگر خیر جس قدر ہو نہایت ضروری ہے۔ مسیح الملک کے دل پر نیکی کا پیر تو بھی نہیں پڑا تھا۔ فیاضی اور نفع رسائی خلافت اور رحم سے وہ بالکل بے نصیب تھا۔ بادشاہ کی باتوں کا اس پر مطلق اثر نہ ہوتا آخر ظالم کی عمر کوتاہ بچا کی شامت جو آئی۔

زبیدہ نے یہاں تک کہانی کو پڑھا تھا کہ استانی جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا ذرا صبر کرو۔ اور لڑکیوں سے پوچھا بھلا یہ تو بتاؤ کہ بادشاہ اور مسیح الملک تمہارے غدیے میں کیسے تھے؟

رابعہ۔ دونوں بڑے۔ مسیح الملک تو بے رحم تھا ہی بادشاہ اس واسطے برا تھا کہ اس نے بے رحم کو ایسا اختیار کیوں دے رکھا تھا؟  
حسن آرا۔ خفا ہو کر بولی، نوج اس مکتب کے لڑکیوں کی کیا بڑی زبان ہے نہ یہ بادشاہ دیکھیں نہ وزیر جو چاہا ایک دیا۔ اور رابعہ کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہا اپنا منہ دیکھو اور بادشاہ اور وزیر کو برا کہنا دیکھو۔ کچھ نہ ہوگا تو تم جیسی ہزاروں لوندیاں ان کے آگے ہر دم ہر خطبہ ہاتھ باندھے کھڑی

رہا کرتی ہوں گی۔

رابعہ۔ پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔ بادشاہ وزیر ہونے سے یا بہت سی لونڈیاں رکھنے سے آدمی کو زور و ظلم معاف ہو جاتا ہے۔

حُسن آرا۔ زور و ظلم کیا ایسے لوگوں اور اپنی رعیت پر جس طرح جی میں آیا حکم چلایا۔ کسی کی مجال تھی کہ ان کے اگے بات کر لیتا۔ اب مرے پیچھے تم سی کہہ رہی ہو۔ ان کے ہوتے تمہارے بڑے بھی کوئی بسے ہوں گے تو حضور کہتے کہتے مرنے خشک ہوتا ہوگا۔

رابعہ۔ تو آپ کے نزدیک بادشاہ وزیر تو کردوں اور رعیت کو چاہے جتنا ستائیں بلکہ جان سے بھی مار ڈالیں تو ان کو روا ہے۔

حُسن آرا۔ بے شک جس بادشاہ کا دیدہ بہ نہ ہو وہ بادشاہ کیا۔ محمود۔ بیگم صاحب برانہ مانے گا اگر بادشاہ ناحق میں بیٹھے بٹھائے آپ کے گھر کا تعلیقہ کر لے اور عورت مرد سب کو کپڑا کر قید کر لے تو پھر بھی آپ یہی کہیے گا کہ بادشاہ نے واجب کہا۔

حُسن آرا۔ ہمارا تعلیقہ کیوں کر لے اور ہم کو کیوں قید کرے۔ محمود۔ کیوں آپ رعیت نہیں ہیں۔

حُسن آرا۔ اجی رعیت رعیت میں بڑا فرق ہے۔

محمود۔ تو آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں پر ظلم ہو تو مضائقہ نہیں۔ حُسن آرا۔ اور کیا۔

محمود۔ غریبوں نے ایسا کیا تصور کیا ہے۔ کیا غریبوں کی جان نہیں۔

حُسن آرا۔ جان تو کیوں نہیں مگر غریب سختی کو برداشت کر سکتے ہیں۔

استانی جی۔ بھلا بوا حُسن آرا بیگم اگر خدا نخواستہ تم غریب ہو جاؤ تو پھر تم کو



ستانا شاید درست ہو جائے۔

حُسن آرا۔ نہیں استانی جی ہم کو ستانا کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا۔  
استانی جی۔ یہ تو غضب کی نا انصافی ہے کہ اور غریب تو ستائے جائیں اور حسن آرا کیم  
اگر خدا نخواستہ غریب ہو جائیں تو معاف رہیں۔

حُسن آرا۔ امیر اگر غریب ہو جائے تو بھی امیری کی جو کئی پشتوں تک نہیں جاتی۔  
استانی جی۔ یہ کیوں کر ثابت ہے کہ دنیا میں بالفعل جتنے غریب ہیں۔ یہ سدا کے  
غریب ہیں۔ دولت تو چلتی چھاؤں ہے امیر و غریب ہوتے رہتے ہیں۔ شہر  
میں کیا دنیا میں کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا۔ جو سدا کے امیر یا سدا کے غریب ہو یا  
دو چار پشتیں امیر جو گزری ہیں تو دو چار غریب بھی ہو گزری ہوں گی۔

## بادشاہ رعیت کا خدمت گزار ہے اور اس کے

### اختیارات محدود ہیں

حُسن آرا۔ بھلا سیرج الملک کا تو قصور تھا ہی لیکن بادشاہ بیچارہ نے کیا کیا تھا؟  
رالبعہ۔ میں تو پہلے ہی دن بیان کر چکی ہوں کہ سیرج الملک کو ایسا ذی اختیار رکھنا  
بادشاہ کا قصور تھا۔

حُسن آرا۔ بادشاہ کے ساتھ تمہارے مُنہ سے قصور کا لفظ سُن کر مجھ کو بے اختیار  
ہنسی آتی ہے۔

را بصرہ۔ آتی ہوگی لیکن نہ اتنی جتنی کہ مجھ کو بادشاہ کے ہوتے ہوئے مسیح الملک کا اختیار سُن کر۔

حُسن آرا۔ دنیا جہاں کے بادشاہ تھے ایک بات اُن کے کان تک نہ پہنچی۔  
محمودہ۔ بس یہی بادشاہ کا تصور تھا۔ اُن کو اپنے کان ایسے کھلے رکھنے چاہیے تھے کہ منزلوں سے ناش خریدی کی بھنک سُنتے! اسی واسطے ان کو لوگوں نے بادشاہ بنا رکھا تھا۔

حُسن آرا۔ لو اور سُنو! لوگوں نے بادشاہ بنا رکھا تھا۔  
اُستانی جی۔ حُسن آرا بیگم! افسوس ہے کہ تم نے کچھ پڑھا نہیں جب تک تم کو پڑھنا نہ آئے گا اسی طرح ہزاروں باتوں پر تم کو تعجب ہوگا۔ جتنے بادشاہ ہیں سب لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں جب دنیا میں آدمی بہت ہو گئے تو آپس میں لڑائی جھگڑا بھی ہونے لگا۔ بعض کم بخت ایسے بُرے تھے کہ قابو پا کر آدمی کو مار ڈالتے مال خیرا لیتے بھلے مانسوں کو بے عزت کر ڈالتے تب صلاح کر کے یہ تجویز ٹھہرائی کہ آؤ آپس میں کسی شخص کو سردار بنا لیں سب اس سردار کا حکم مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اور اس سردار کا یہ کام ہو کہ وہ لوگوں کے جھگڑے طے کر دیا کرے اور رعایا کی جان و مال و آبرو کا نگہبان رہے۔ اسی کا نام بادشاہ ہوا۔ لوگوں کا کام ہے اُس کی اطاعت کرنا اور بادشاہ کا کام ہے رعایا کو آرام دینا تاکہ کوئی ظلم نہ یادتی نہ کرے۔ ہاں صاحب کہانی آگے چلے۔

لاجرہ۔ جناب مجھ کو تو بڑی دُور جانا ہے اور چھ گھڑی کی توپ اب چلی کہ چلی پھر راستہ بند ہو جائے گا۔ مجھ کو تو اجازت ہو۔  
اُستانی جی۔ اچھا اب ملتوی کرو۔ انشاء اللہ پھر دیکھا جائے گا۔ حُسن آرا کو

کہانیاں سننے کا اس قدر شوق تھا کہ کہانی کا ملتوی کیا جانا اس کو ناپسند ہوا۔  
 باجرہ سے کہنے لگی اے ہے ذرا کے ذرا ٹھہر جاؤ کہانی تو ختم ہو لینے دو جہاں  
 سے چھوٹی تھی ابھی وہاں تک تو نہیں ہوئی۔

باجرہ۔ نہیں بواو یہ بہت ہو گئی ہے۔ میں تو نہیں ٹھہر سکتی۔  
 حسن آرا۔ اے ہے آج کی رات یہیں رہ جانا نہیں تو ہمارے گھر چلی چلتا۔  
 باجرہ۔ بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے۔ کہانی کے لالچ سے میں رہ جاؤں میری اماں  
 راہ دیکھ رہی ہوں گی۔

حسن آرا۔ اے ہے کہانی کے ناتمام رہنے سے تمہارا جی نہیں کر ٹھتا۔  
 باجرہ۔ جی کر ٹھنے کی کیا بات ہے۔ ایسا ہی مجھ کو کہانی کا سُنتا ہو تو کیا میں آپ  
 نہیں پڑھ سکتی۔ غرض لڑکیاں رخصت ہوئیں۔

## حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا

حسن آرا چلنے لگی۔ تو اُس نے محمودہ کو الگ لے جا کر کہا کہ محمودہ بگیم بھلا اتنا  
 پڑھنا کہ میں کہانی کی کتاب آپ پڑھ لیا کروں۔ کتنے دنوں میں آجائے گا۔  
 محمودہ۔ جی لگا کر پڑھو تو چار مہینے میں بلکہ شاید اس سے بھی کچھ کم میں۔  
 حسن آرا۔ اچھی تو مجھ کو کل سے شروع کرادو۔  
 محمودہ۔ اُستانی جی سے کہو۔  
 حسن آرا۔ کہا تھا۔

محمودہ۔ پھر  
 حُسن آرا۔ اُستانی جی نے کہا ابھی جلدی کیا ہے۔  
 محمودہ۔ اُستانی جی کو ابھی تمہارے شوق کی طرف سے اطمینان نہ ہوا ہوگا۔  
 حُسن آرا۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔  
 محمودہ۔ تو چند روز صبر کرو۔  
 حُسن آرا۔ نہیں میں تو کہتی ہوں کہ آج مجھ کو کہانیوں کی کتاب پڑھنی آجائے۔  
 محمودہ۔ پھر میں اُستانی جی سے کہہ دوں گی۔  
 حُسن آرا۔ اس میں کیا قباحت ہے کہ تم چپکے سے مجھ کو پڑھا دیا کرو۔  
 محمودہ۔ قباحت کی کیا بات ہے۔  
 حُسن آرا۔ اُستانی جی خفا نہ ہوں۔  
 محمودہ۔ ہرگز نہیں۔ اور ایسا ہی خیال ہے تو خود اُستانی جی سے کیوں نہیں شروع کرتیں۔  
 حُسن آرا۔ مجھ سے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں فر فر کتابیں پڑھتی ہیں۔ مجھ کو اتنی بڑی ہو کر الف بے پڑھتے شرم آتی ہے۔  
 محمودہ۔ بہت خوب میں آپ کو کوٹھے پر لے جا کر اس طرح چپکے سے پڑھا دیا کروں گی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو۔  
 حُسن آرا۔ ضرور؟  
 محمودہ۔ ضرور؟  
 حُسن آرا۔ ابھی اُستانی جی سے بھی نہ کہنا۔  
 محمودہ۔ نہیں۔ غرض یہ باتیں ہو ہوا کر حُسن آرا چلنے لگی تو اُستانی جی نے دو عورتوں کو ساتھ کر دیا۔ گھر تو پاس تھا ہی بات کی بات میں جا پہنچی۔

سلطانہ بیگم۔ آہا حسنا! میں نے تو جانا آج تم وہیں رہیں۔  
 حسن آرا۔ نیند تو آتی تو رہ جانے کا کیا تھا۔  
 سلطانہ بیگم۔ کیا تم کو اب تک نیند نہیں آئی۔ بچپن سے اب تک ہمیشہ دن ڈوبا  
 اور تم سوئیں۔

حسن آرا۔ یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ بے مشغلی کی وجہ سے میری نیند بڑھتی جاتی ہے۔  
 دیکھیے آج نہ تو سوئی اور نہ کچھ کسل معلوم ہوا۔

سلطانہ۔ آج ایسے کس کام میں تھیں۔  
 حسن آرا۔ کام تو کچھ بھی نہیں مگر وہاں کی باتوں میں ایسا جی لگتا ہے کہ دن رات سنا کیجیے۔  
 سلطانہ۔ ہم کو بھی تو کچھ سناؤ۔

حسن آرا۔ اب تو رات زیادہ گئی ہے اور مجھ کو سویرے اٹھنا ہے۔ جلدی نہ سو  
 رہوں گی۔ تو تڑکے آنکھ کا کھلنا مشکل ہے۔

سلطانہ۔ اب تم سویرے اٹھ چکیں۔  
 حسن آرا۔ انشاء اللہ ایسے سویرے اٹھوں گی کہ آپ دیکھیے گا۔ انا تم کہا کرتی ہو  
 کہ میں اٹھتی ہوں تو تائے چلے ہوتے۔ بس ضرور ضرور مجھ کو اسی وقت اٹھا  
 بٹھانا۔ دیکھو خیر وار بھولنا مت۔

انا۔ جگا تو میں دوں گی اٹھنا نہ اٹھنا تمہارے اختیار میں ہے۔  
 حسن آرا۔ اگر میں نہ اٹھوں تو ٹھنڈے پانی کے پھینٹے مار دینا۔  
 انا۔ یہ تو مجھ سے نہ ہو گا کہ غفلت کی نیند میں تم کو حیران کروں۔  
 حسن آرا۔ میں کہتی ہوں نانا کہ جگا دینا پھر تم کو میری حیرانی کا خیال لاحق ہے۔  
 انا۔ بیٹی تم کہتی تو ہو لیکن میری ایسی کیا شامت ہے کہ صبح سویرے تم کو چھیر کر  
 اپنا بڑا بڑا کرادوں۔



حُسن آرا۔ نہیں بی۔ نہیں خدا کی قسم میں ہرگز بُرا نہ مانوں گی ضرور جگا دینا۔  
 سلطانہ۔ آخر تم کو ایسے سویرے اٹھنے کی ضرورت کیا ہے؟ بس معمول سے ذرا  
 پہلے اٹھ جانا۔

حُسن آرا۔ واہ میں نے شرط کر لی ہے۔ اگر میں نہ بھی اٹھوں تو سوتی کوڑے تڑکے  
 اندھیرے منہ مکتب میں پہنچا دینا۔ انا دیکھو پھر کہے دیتی ہوں ضرور اٹھا دینا  
 ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔

## حُسن آرا کی اٹھنے لگی

انا اپنے معمول پر اٹھی سلام پھر دعا مانگ ڈرتے ڈرتے حُسن آرا کی چار پائی  
 کے پاس جا آواز دی۔ حُسن آرا کا یا تو یہ حال تھا کہ بیسیوں آوازیں دیئے جاؤ ہونگار  
 تک نہیں اور اگر نیند سے ہوشیار بھی ہوئی تو جب آواز دی کبھی انگڑائی لے کر رہ گئی  
 کبھی اس کوٹ سے اُس کوٹ ہو لیتی یا انا کی آواز سن کر جھٹ پٹ اٹھ ہی تو  
 بیٹھی۔ بہتیزا چاہا کہ آنکھیں کھولے پلکوں کو چیرا بھاڑا مگر یہ معلوم ہوا کہ تانا تھا کہ  
 سی دی ہیں یا گوند سے جمادی ہیں اور جو ٹٹا کر ذرا کی ذرا کھولیں بھی تو ایسا دکھ  
 معلوم ہوا کہ گویا کسی نے پلکوں میں مرچیں بھر دیں مگر کل کا وعدہ اور کھٹائی کی خوشی  
 پیش نظر تھی۔ ہاتھ پھیلا دیئے۔ انا نے پیار سے گودی میں اٹھالیا۔ اور کہا بیٹا  
 اب تو بہت سویرا ہے۔ صدمے گئی ایک نیند اور لے لو۔  
 حُسن آرا۔ نہیں بی نہیں مجھ کو ابھی مکتب لے چلو۔

انا۔ پیٹا منہ تو دھولو۔ کچھ ناشتہ کر لو تب جانا۔  
 حُسن آرا۔ ٹھٹک کر بولی اے ہے اللہ! دیکھو کم بخت دیر لگائے چلی جا رہی  
 ہے۔ لے نہیں چلتی وہاں سب لڑکیاں آگئی ہوں گی۔ غرض کہ انا مکتب  
 میں لائی۔

حُسن آرا کچھ تو آنکھیں کھولتی آئی ہی تھی یہاں آکر دیکھا کہ واقع میں بڑی  
 چھوٹی لڑکیاں سب موجود ہیں۔ مگر کوئی کتاب کھولتی جاتی ہے کسی نے  
 آموختہ پڑھنا شروع کر دیا ہے کوئی ابھی مطالعہ لے کر بیٹھی ہے یہ دیکھ  
 کر تو حُسن آرا کی رہی سہی آنکھیں اور بھی کھل گئیں۔

محمودہ۔ آبا بیگم صاحب ایسے سویرے۔ ماشار اللہ خوب ہی آپ وعدے کی  
 سچی اور ارادے کی پکی ہیں۔

حُسن آرا۔ کیا وعدہ اور کیا ارادہ ہے۔ آخر سب کے پیچھے ہی آئی۔  
 محمودہ۔ اگر آپ سب کے بعد آئیں مگر پہلے ہی دن آپ اتنے سویرے اٹھ کھڑی  
 ہوئیں بڑی مضبوطی کی بات ہے۔ اس اعتبار سے آپ ہی سب سے پہلے  
 آئیں۔

حُسن آرا۔ کڑھائی کی فرمائیے۔  
 محمودہ۔ سب تیار ہے آپ ہاتھ منہ دھولیں تو شروع ہو۔ محمودہ نے لڑنا پانی۔  
 سلچی منجن۔ آئینہ۔ کنگھی۔ تیل۔ سب سامان سامنے لا کر رکھ دیا۔

حُسن آرا۔ کیا خوب یہ آپ مجھ کو ناحق میں کیوں گتہا بنا رہی ہیں۔  
 محمودہ۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ نہ تکلف کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ اس کو چاہیے آپ  
 بھونڈا پن سمجھیں ہم سب طرح کا کام اپنے اپنے ہاتھوں کر لیا کرتے ہیں۔  
 اور آپ دیکھیے گا کہ کبھی ہماری آپس میں لڑائی نہیں ہوتی ہے کوئی کام ہوا

کسی کے کرنے کا ہوسب نے مل کر کر لیا ایک دوسرے کو سہارا لگا دیا اور یہ بات کچھ بناوٹ اور دکھاوے کی غرض سے نہیں حاضر و غائب ہم سب لڑکیوں میں بڑی سچی محبت ہے۔ ایک ایک کو سگی بہن سے بڑھ کر ہے۔ ہاتھ خدنے کام ہی کے واسطے دیئے ہیں۔ اور لوٹا پانی لاکھ رکھ دینا بھلا یہ بھی کوئی کام ہے۔

**مکتب کی لڑکیوں نے مل کر پخوان تلا اور حُسن آرا کام کاج میں شریک ہوئی مگر کام کی عادت نہ تھی چھوٹے**

**چھوٹے کاموں میں بڑی وقت ہوئی**

غرض ادھر تو حُسن آرا ہاتھ مزد دھوتی رہی محمود نے پہلے تو اتسانی جی سے پوچھا کہ اگر آپ ارشاد کریں تو کڑھائی کا سامان کئی دن سے آیا ہوا رکھا ہے۔ اس وقت ٹھنڈک بھی ہے۔ سویرے کا وقت ہے ہم سب مل کر تل تلائیں۔ اتسانی جی۔ بہت خوب مگر حُسن آرا بیگم کو بھی شریک رکھنا۔

محمودہ۔ بسرو عظیم

اس کے بعد کھڑی کھول سب سامان نکال باورچی خانے میں لے گئیں۔

کسی نے بیسن گھولنا شروع کیا۔ کوئی ٹکیاں گھڑنے لگی۔ کوئی پیاز کترنے کو بیٹھ گئی

غرض سب کی سب کام میں لگ گئیں

حُسن آرا۔ محمودہ بیگم کوئی کام مجھ کو بھی بتاؤ۔ یہ تو مناسب نہیں کہ سب کام کریں

اور میں کھڑی منہ دیکھوں۔

آمنہ۔ آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ ہم سب کیے لیتے ہیں۔ صرف آپ سیر کیجیے۔

محمودہ۔ نہیں اس میں کچھ قباحت کی بات نہیں کوئی کام ہو، کرنے ہی سے آتا ہے۔

مگر کون کام بتاؤں۔ مصالح پینا، میدہ گوندھنا، تلسا بہتر سے کام ہیں ان میں سے جو آپ سے ہو سکے کیجیے۔

حُسن آرا۔ مصالحہ تو مجھ سے نہیں پسے گا۔ پہلے ہی رگڑے میں میرے تو کھوٹے رہ جائیں میدہ کیسے تو البتہ گوندھ دوں۔

محمودہ۔ میدہ گوندھنا بھی بڑے زور کا کام ہے۔ بلکہ مصالحہ پینے سے زیادہ محنت ہے۔ حُسن آرا۔ بلا سے ہے مگر مجھ کو منظور ہے۔

محمودہ۔ آخر اس کا سبب۔

حُسن آرا۔ کچھ ہے۔

محمودہ۔ کیا کچھ پردے کی بات ہے۔

حُسن آرا۔ جھینپ کر، جی میدہ گوندھ با تھو دھو دھا کھڑی ہو جاؤں گی اور مصالحہ پیسوں کی تو ہلدی کارنگ کلنگ کا سا ٹیکا دو چار دن تو چھوٹا نہیں نا حق مجھ کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔

محمودہ۔ شرم کی اس میں کیا بات ہے۔

حُسن آرا۔ آپ کو نہیں مجھ کو تو ہے۔ ہلدی بھرے ہوئے با تھو لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔

محمودہ۔ اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔ بعضوں کو کام کرنا عجیب سے بعضوں کو دوسروں کا پکایا ریندھا احدیوں اپا سبوں کی طرح کھانا عار ہے۔ غرض اتنا سمجھایا امیر کی بو آپ کے دماغ سے نہ گئی پر نہ گئی۔

حُسن آرا۔ اصل مرنے کی ایک ٹانگ۔ جان جائے پر آن نہ جائے۔

محمودہ۔ پھر کچھ زبردستی ہے آپ آرام سے بیٹھیے جو کچھ توفیق ہوگی ہم آپ کو بیٹھے بٹھائے چرٹھا آئیں گے۔

حُسن آرا۔ آپا کچھ تم کو بھی ضد سے تم کو اپنے کام سے کام آخر میدہ کوئی نہ کوئی  
گوندھے گا ہی۔ میرا ہاتھ لگ جائے گا تو کیا کیرٹے پڑ جائیں گے۔  
محمودہ۔ کیرٹے تو نہیں مگر لوح توڑتاڑستیا ناس کر کے رکھ دو گی۔ امیری شہمی بچھانے  
کے سوائے اور بھی کچھ تم کو آتا ہے۔  
حُسن آرا۔ خیر کچھ اور کام مجھ کو دیکھیے۔

محمودہ۔ کون کام دوں۔ مصالح تو تم پینا نہیں چاہتیں۔ آٹا تو تم کو گوندھنا نہیں  
آتا۔ اور کون سا کام بتاؤں۔ خیر مصالح کی سل کے نیچے اور ک گڑی ہوئی ہے  
چھوٹی چھوٹی دو گری نکال کر کتر ڈالے۔

حُسن آرا۔ ہاں یہ کام میرے کرنے کا آپ نے بتایا ہے۔ دیکھیے گا کیسے باریک  
لچھے کترتی ہوں۔  
محمودہ۔ خدا راست رائے۔

حُسن آرا دوڑی جاسل کو اٹھانے لگی۔ سل تھی بوجھل ایک بالشت بھر تک  
تو حُسن آرا نے ہمت کر کے اٹھالی آخر نہ سنبھل سکی چھوٹ پڑی اور چھوٹی تو ہاتھ پر  
گری۔ حُسن آرا تو بلیلا اٹھی۔ سب لڑکیاں دوڑ گئیں۔ جا کر دیکھا تو حُسن آرا  
سل کے تلے ہاتھ دیئے بیٹھی ہیں۔ چہرے کی رنگت زرد ہے۔ اور تھر تھر کانپ  
رہی ہے جلدی سے سل اٹھا کر انگ کی ہاتھ دیکھا کچل تو گیا تھا۔ مگر زمین گیلی اور  
پولی تھی چوٹ نہیں لگی۔

حلیمہ۔ واہ بیگم صاحب! بٹسے کچے دل کی ہو تم تو ایسی بلبلا میں کہ ہم سب کے  
ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

حُسن آرا۔ منہ پر آنکھیں ہیں یا نہیں۔ اتنی بڑی سل تمہا سے ہاتھ پر گرتی تو جانتیں۔  
حلیمہ۔ گرتی ہی کیوں۔

حُسن آرا۔ کیا خوب یک نہ شد و شد بجلایں نے تو بالشت بھراٹھا بھی لی  
تم ذرا ہلا بھی دو تو سلام کروں۔

علیہ۔ ہاں۔

حُسن آرا۔ ہاں۔

## علم جبرئیل کا تذکرہ مختصر

علیہ نے وہیں چولہے کے پاس سے ایک نوکدار کٹڑی اٹھا پتلا سر اسل کے  
نیچے اڑا جوں ہی دوسرا سر اٹھایا تھا کہ بیل کھٹ سے دوسرا جانب جا پڑی۔  
حُسن آرا۔ بہن! یہ تو تم نے کمال ہی کیا۔

محمودہ۔ کمال کی اس میں کیا بات ہے۔ علم جبرئیل میں اسی قسم کی ہزاروں باتیں  
میں حکمت بڑی چیز ہے۔ اکیلا آدمی حکمت کے زور سے ہزاروں من کا بوجھ  
تنگے کی طرح اٹھا کر پھینک دے بیل کی کیا اصل ہے۔

حُسن آرا۔ اب آپ لوگ اپنا اپنا کام کیجیے۔ میں ادراک کترتی ہوں۔  
محمودہ۔ رہنے دیجیے۔ کوئی ادراک کترے گی۔ آپ کا ہاتھ بھی دکھتا ہوگا۔  
حُسن آرا۔ نہیں۔ میں تو اب کتر کے رہوں گی۔

حُسن آرا نے باورچی خانے کے چاقو سے جو ایک گہرہ پھلی تو چاقو کتر معلوم  
ہوا آپ نے کیا کیا محمودہ کے قلمدان سے راجس کا نیا چاقو نکال ادراک پھیلنا  
تشریح کیا ادراک کے عرق سے اول تو چاقو کی آب گئی گذری ہوئی دوسرے



چاقو تیز۔ اور ک نرم تین چار مرتبہ کچ کچ چاقو ہاتھ میں لگا اور اوپر سے پینچا  
 اور ک کا عرق خوب ہی مرچیں لگیں۔ مگر حسن آرانے شرم کے مارے اس کو چھپایا  
 اور ک بھی اچھی نہ کتری گئی۔ اور ک کتر کر لائی تو اس میں سرخی جھلملاتی تھی۔  
 محمود نے دیکھ کر کہا۔ اے ہے کیسی لال لال اور ک ہے۔ کہیں گل تو نہیں  
 گئی۔ ”دھویا تو خاصی سفید سفید اور ک نکل آئی۔ تب تو شبہ ہوا کہ شاید  
 حسن آرانے کہیں اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ گھبرا کر کہا دیکھو ہاتھ۔ حسن آرانے  
 تھوڑے تامل کے بعد دکھایا تو معلوم ہوا کہ کوئی انگلی نہ تھی جس میں دو چا  
 خراش نہ ہوں۔

محمودہ۔ اے ہے یہ کیا کیا۔ کس چاقو سے اور ک کتری۔  
 حسن آرا۔ جس سے آپ قلم بناتی ہیں۔  
 محمودہ۔ بھلا قلم تراش سے کوئی ترکاری بناتا ہے۔ اسی واسطے میں آپ کو کام دیتے  
 ہوئے ڈرتی تھی دیکھیے آپ نے ہاتھ زخمی کر ہی لیا۔  
 حسن آرا۔ بلا سے ہاتھ کا کیا ہے۔ اچھا ہو جائے گا۔ مگر چاقو کیسا بد رنگ ہو  
 گیا ہے۔ یہ کیوں کر درست ہوگا۔  
 محمودہ۔ قربان کیا تھا چاقو نگور اُبڑ گیا بگر گیا۔ جلدی سے پانی میں بھگو کر کپڑا نکالو  
 کو پیٹ لیجیے اور خدا کے لیے مکتب میں جا کر بیٹھیے۔  
 حسن آرا۔ واہ! میں تو کام کروں گی۔  
 محمودہ۔ کیا اُستانی کو خفا کرانے کی مرضی ہے عاشائیں تو اب کسی چیز کو ہاتھ نہ  
 لگانے دوں گی۔

حسن آرا۔ اب میں بہت احتیاط سے پوچھ پوچھ کر کروں گی۔ اچھی کچھ تو بتاؤ۔  
 حسن آرانے اتنا اصرار کیا کہ محمودہ سے کچھ نہ بی پڑی اور مجبور ہو کر کہا۔

خیر آپ آگ سلگا کر گھی کو کڑکڑا ڈالے۔ حُسن آرانے تو سمجھا کہ بڑا آسان کام  
 بلا جلدی سے لکڑیاں اُلے چولہے میں بھر دیئے سلائی سلگا لگی پھونکنے بہتر  
 دھونکا آگ بھلا کب سلگتی ہے۔ مَنہ بھی تمنا اٹھا۔ ناک اور آنکھ دونوں  
 سے پانی جاری ہے۔ دھواں غٹ کے غٹ تمام مکان میں بھرا ہوا ہے۔ مگر  
 لڑکوں کو خبر نہیں جب لڑکیاں سامان درست کر چکیں تو مگھو وہ تے پوچھا۔

”کیوں بیگم صاحب گھی کیا کہہ رہا ہے؟“

حُسن آرا۔ لکڑیاں کم بخت ایسی گیلی ہیں۔ آبخ ہی نہیں ہوتی۔

مگھو وہ۔ کیوں دیانت اتنا کہہ دیا تھا کہ برسات کے دن ہیں۔ لکڑیاں دیکھ کر سوکھی  
 ہوئی لانا۔ آخر وہی گیلی پانی اٹھا لائیں۔

دیانت۔ بوی لکڑیاں تو ایسی خشک ہیں کہ برسات کی ہوا تک بھی ان کو نہیں  
 لگی بیج ڈھیر میں سے لپٹے نکلوا کر لائی ہوں و دُدن ہوئے انہیں لکڑیوں سے  
 کھانا پکتا ہے۔ ایسی دھڑ دھڑ جلتی ہیں کہ پھونکنا بھی نہیں پڑتا۔

## حُسن آرانے کا تو بیکار آپ اور ماما پر ناحق خفا ہوئی

حُسن آرا کو ایک تو پہلے ہی پہل چولہا پھونکنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس پر طرہ یہ  
 کہ دو گھڑی کامل حیران ہوئی اور آگ نہ سلگی یوں ہی کھسیانی ہو کر جلی بھنی بیٹھی  
 تھی۔ ماما دیانت نے جو اس کے خلاف تقریر کی اور بھی آگ بگولا ہو کر بولی۔ اری  
 جھوٹی نامراد ذرا پھوٹے ہوئے دیدوں سے آکر دیکھ تو سہی کہ گیلی ہیں یا نہیں  
 کون دقتوں سے میں سر کھپا رہی ہوں انہی کو سوکھی لکڑیاں کہتے ہیں نہ ہوئی تو  
 اس وقت میرے گھر کی ماما نہیں تو چیلوں سے مارتے مارتے مراد تجھ کو فرش  
 کر دیتی۔ ماما دیانت حُسن آرا کا بیہودہ کلام سُن کر مائے غصے کے کانپ

اٹھی اور چاہتی تھی کہ جواب دندان شکن دے۔ اُستانی جی نے اٹکے سے رد کا۔ لڑکیوں کو بھی حسن آرا کی بات نہایت ناگوار گزری اور قریب تھا کہ سب کڑھائی چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو بیٹھیں محمودہ اُستانی جی کے اٹکے کا مطلب سمجھ گئی تھی اس نے لڑکیوں کو کنایہ سے باز رکھا اور خود چولہے کے پاس جا کر کہنے لگی ذرا میں بھی تو دیکھوں کیسی لکڑیاں ہیں۔ دیکھا تو اندر تک حسن آرا نے لکڑیاں ٹھونس رکھی ہیں۔ راکھ کا اٹم کا اٹم پھرا پڑا ہے۔ محمودہ نے سب لکڑیوں کو باہر نکال پھیلے تو راکھ صاف کی پھر چار لکڑیوں کو اوپر تلے آڑا رکھ جھینا چولہے کی باہر کی طرف لگا ایک مرتبہ ذرا کے ذرا پھونکا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی۔

حسن آرا۔ آپ نے تو کمال ہی کیا۔

محمودہ ہنس کر بولی کم بخت آگ جلائے میں بھی کچھ کمال کی بات سے مگر اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ کوئی کام ہو بے کیے نہیں آتا لکڑیاں کیا کریں اول تو مہیا منہ راکھ بھری پڑی تھی اس پر آپ نے لکڑیاں اتنی ٹھونس دیں کہ ہوا کا گذر نہ ہوا۔ آگ جلے تو کیوں کر جلے مشہور بات ہے کہ جھینا جتنا ہلکا ہوا اتنا ہی جلد جل اٹھتا ہے۔

حسن آرا۔ مجھ کو یہ حکمت معلوم نہیں تھی۔

محمودہ۔ بے شک! جو کام کبھی نہیں کیا اس میں آدمی ضرور عاجز ہوتا ہے مگر آپ نے ایک بات بہت بے جا کی۔

حسن آرا۔ وہ کیا کہیں میں نے کوئی اپنا کپڑا تو نہیں جلا لیا۔ یہ کہہ کر لگی اپنے کپڑوں کو دیکھنے۔

محمودہ۔ خیر سے اپنا کپڑا نہیں جلا لیا۔ دوسرے کا دل جلا لیا۔

حسن آرا۔ ماما کو جو ذرا میں نے گھر کا اس پر آپ کہتی ہوں گی۔

محمودہ۔ اللہ میری خطا معاف۔ اول تو یہ فرمائیے کہ آپ کی خفگی بے جا تھی یا نہیں  
 قصور تو اپنا آگ تک تو خیر سے لپٹے تئیں سلگانی نہ آئے اور ماما بیچاری  
 ناحق نصیحت ہو۔

حسن آرا۔ البتہ اتنا قصور میرا تھا۔ مگر ماما کو بیچ میں بول اٹھنا کیا ضرور تھا۔  
 محمودہ۔ ماما آپ سے نہیں بولی۔ میں نے پوچھا تو اس نے جواب دیا تھا۔  
 حسن آرا۔ پھر بھی میری بات کو کاٹنا اس کو مناسب نہ تھا۔  
 محمودہ۔ وہ ہرگز اس بات سے واقف نہ تھی کہ آپ بے سر ناحق بھی ہوں تو  
 آپ ہی کی تائید کرنی چاہیے۔  
 حسن آرا۔ کیا وہ نہیں جانتی کہ میں امیرزادی ہوں۔  
 محمودہ۔ شاید جانتی ہو۔

## خیرات دے کر احسان جتانانا

حسن آرا۔ شاید میں اس کو خوب پہچانتی ہوں۔ رمضان کے رمضان پہلے یہاں  
 لشکر سے بڑا بڑا کھانا لینے جایا کرتی تھی۔ اب چار دن سے آپ کے یہاں لوگر  
 ہے تو اس کے مغز چل گئے ہیں۔ وہ دن بھول گئی۔  
 محمودہ۔ لشکر آپ کے یہاں کیوں تقسیم ہوا کرتا ہے۔  
 حسن آرا۔ نام خدا پر تقسیم ہوا کرتا ہے۔  
 محمودہ۔ نام خدا اسی کا نام ہے کہ جو بھی اس میں سے کھانالے وہ عمر بھر آپ کا  
 غلام بنا ہے اور جس طرح اور شہزادہ دار آپ کی تعظیم کرتے ہیں وہ بھی کیا کرے  
 ایسے لشکر کا خاک ثواب ہوگا۔  
 حسن آرا تعظیم نہ کرے تو ہم کو جو تیاں مار لیا کرے۔

محمودہ۔ تو یہ تو یہ جوتیوں کا یہاں کیا مذکور ہے۔  
 حُسن آرا۔ بوا ایسے کم حیثیت لوگوں کا بے باکی سے بول اٹھنا بھی جوتیاں ہی  
 مارنا ہے۔

محمودہ۔ جب لنگر خد کے نام ہوا تو پھر آپ کا کچھ احسان نہیں۔ ایک خیرات کے  
 دو دو بدلے تو نہیں ہو سکتے کہ عاقبت کا ثواب بھی لو اور دنیا میں بھی ادب  
 اور تعظیم کی خواہاں رہو۔ پس خیرات دے کر یہ اُمید پیدا کرنا کہ یہ پہلا ادب  
 کیسے توقع ہے جا ہے۔ اور اس کو دل سے جگرتو تو آدمی آدمی سب برابر  
 جیسی آپ ویسی میں ویسی ماما۔

حُسن آرا۔ آپ کو اپنے تئیں ماما کے برابر سمجھنے کا اختیار ہے۔ مگر میں تو خدا کے فضل  
 سے خاصی امیر زادی ہوں۔ اور ایسی ایسی اب بھی دس بیس تو ہمارے  
 گھر نو کر ہوں گی۔

حُسن آرا نے جو ماما کو فضیحت کیا تھا، محمودہ کا  
 اُس کو ملازمت کرانا اور خطا معاف کرنے پر  
 مجبور کرنا

محمودہ۔ یہ بڑی زبردستی ہے کہ آپ امیر ہیں۔ تو دنیا میں جو ہے آپ کا ادب کھے  
 اور نری ہٹ دھری ہے کہ آپ امیر ہیں۔ تو جس کو جی میں آئے گا گالیاں

دے لیا کیجیے۔

حُسن آرا۔ میں نے تو کوئی گالی نہیں دی۔

محمودہ۔ گالی کے سرسینگ ہوتے ہیں۔ آپ نے جھوٹی کہا۔ نامراد کہا۔ مردار کہا۔ دیدوں

بھوٹی کہا اور یہ کہا کہ لکڑیوں کے مارے فرش کر دیتی۔

حُسن آرا۔ یہی گالی ہے تو خدا حافظ اب کیا میں ان کو جناب کہتی خداوند بناتی۔

محمودہ۔ کیا ضرور ہے کہ کہیے تو جناب اور خداوند کہیے یا ایک دم سے جھوٹی نامراد۔

دیدوں بھوٹی بنائیے۔ یہی لفظ بُرا نہ مانے اگر کوئی آپ کو کہے تو گھسا بڑا لگے۔

حُسن آرا۔ مجھ کو بڑا لگے تو لگے لیکن یہ لوگ اسی اوقات کے ہیں: ان کو بُرا ماننے کی

کوئی وجہ نہیں۔

محمودہ۔ ہاں بس یہی غلطی ہے۔ یہ ماما اس اوقات کی نہیں ہے۔ غریب تو

ہے مگر عزت دار ہے۔

بے شک! آپ کے نزدیک دولت ہی عزت ہے اور میرے نزدیک بلکہ

خدا رسول کے نزدیک دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک نیکی بڑی عزت ہے۔

حُسن آرا۔ بھلا میں بھی دیانت بیگم کی کچھ نیکیاں سنوں۔ کون سا لنگر تقسیم کرتی ہیں۔

کوئی میرے مسافروں کے آرام کے لیے بنوادی ہے۔ جنگل میں پیاسوں کے واسطے

کوئی کنواں کھدوایا ہے۔ کسی بیوہ کی تنخواہ کر رکھی ہے۔ مسجد کے مسافروں

کا کھانا مقرر ہے۔

محمودہ۔ کیا بس یہی نیکیاں ہیں؟ یہ وہ نیکیاں ہیں جو دو ہمتندوں کے حصے میں

ہیں اب میں دیانت کی نیکیاں گنواؤں۔ دیکھیے اس قدر تو غریب ہے کہ ماما

گیری کرتی ہے۔ مگر اتنی بڑی ایماندار ہے کہ لاکھ کو خاک سمجھتی ہے۔ چھ

چپاتیاں صبح چھ شام اس کو یہاں سے ملتی ہیں۔ پانچ کبھی چار آپ کھاتی



اور ڈیڑھ ایک ضرور خدا کے نام مسجد میں دے آتی ہے۔ اس کی ایک چپاتی آپ کے لشکر سے کہیں زیادہ ہے۔ دیکھیے یہ عمر ہے کہ ناکامک نہیں سوچنا آپ جانتی ہیں کہ اب یہ بچہ کھول کر کیوں بیٹھی ہیں۔ ہمسائی کے بچوں کے کپڑوں میں پیوند لگائیں گی۔

دونوں وقت مفت میں چھ سات گھروں کا سودا لایا کرتی ہیں۔ ہمسایوں میں کوئی سیارہ ہو خدا واسطے کو اپنے ہاتھوں قادر و حکیم کے یہاں لے جانا عطا کی دوکان سے نسخہ بندھوا لانا چھان بنا کر پلانا اور دن میں دس دس مرتبہ جا کر پوچھنا جھوٹ کبھی نہیں بولتی چغلی کسی کی نہیں کھاتی پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہیں کہتی کسی کے کام میں عذر نہیں۔ سب کو نیک صلاح۔ نیک نصیحت۔ آپ اس کو بے غیرت سمجھیں آپ کے بڑے حکیم صاحب جب تشریف لائے۔ اور یہاں ملنے کو آئے۔ ہمیشہ دیانت کو پوچھا اور بہت اتنا

کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔

حُسن آرا۔ آبا تو دیانت بڑی نیک ہے

محمودہ۔ بے شک فرشتہ آدمی ہے۔ اُستانی جی اتنا ادب کرتی ہیں کہ ماڈوں کا بھی نہ کرتا ہوگا۔

حُسن آرا۔ کیا سچ پچ دیانت کو میری بات بڑی لگی ہوگی۔

محمودہ۔ یہ بات تو بڑی لگنے ہی کی تھی۔ شاید اُس نے اپنی نیک مزاجی کی وجہ سے برائنا ہوا تو نہ مانا ہو۔

حُسن آرا۔ بھلا پھر ہوگا کیا۔

محمودہ۔ ہونا کیا تھا اُس بے چاری کے پاس لشکر ہے کہ آپ سے بدلہ لے گی۔

حُسن آرا۔ اچھا اور کیا کرے گی بہت کر جھگی اماں جان سے جا کہے گی سو میں اماں جان

سے کچھ ڈرتی ڈراتی تھیں۔

محمودہ۔ اس سے اطمینان رکھیے کہ آپ کی اماں جان کیا ماما کسی سے اس کا تذکرہ تک تو کرنے کی نہیں۔ بڑے ضبط کی آدمی ہے۔

حسن آرا۔ پھر کیا خوف ہے کہہ دیا کہہ دیا۔

محمودہ۔ لے سے یہی تو بڑا غضب ہے۔ اگر اُس کا دل دکھا ہے تو ایسا نہ ہو کہیں خدا کو بُرا لگا سو۔ اُس کی مار بلا کی مار ہے۔ اُس کی لاکھی میں آواز نہیں دم کے دم میں جو چاہے کر گزرے اچھے بچھے کو اندھا کوڑی کر دی۔ بادشاہ کے بھیک منگوا دے۔

حسن آرا۔ اچھی تو خدا کے لیے دیانت سے میرا تصور معاف کرادو۔

محمودہ۔ میں خطا میں شریک نہ تھی تو اب معافی میں بھی شریک نہیں ہوں گی۔ آپ یہی نے اس کو ناحق بُرا کہا۔ آپ ہی اُس سے خطا معاف کرائیے۔

حسن آرا۔ اچھا ذرا دیانت الگ ہو تو میں کہوں گی۔

محمودہ۔ الگ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

حسن آرا۔ ہاں اب سب کے سامنے میں امیرزادی ہو کر ایک ماما کے آگے ہاتھ

جوڑوں؟

محمودہ۔ انصاف تو یہی ہے کہ سب کے سامنے اُس کو ذلیل کیا تو سب کے سامنے ہی

اُس کو خوش بھی کیجیے۔ امیری آپ کے مغز میں کچھ ایسی سما رہی ہے کہ نہیں

معلوم آپ اپنے تئیں کیا سمجھتی ہیں جب آپ کے منہ سے غرور کی بات میں

سُنتی ہوں لہذا اٹھتی ہوں کہ دیکھیے خدا خیر کرے۔

یہ سن کر حسن آرا دوڑی دوڑی جا دیانت سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔

دیانت کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبائے اور جھٹ اُس نے حسن آرا کو اٹھا

گلے سے لگا لیا اور ہزاروں دعائیں دیں۔ حسن آرا خطا معاف کر کے پھر محمودہ کے پاس گئی۔ لیجیے حضرت میں نے دیانت کو راضی کر لیا۔

محمودہ۔۔۔ بگیم سچ کہتا اب تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے۔

حسن آرا۔ میں دیکھتی ہوں کہ خطا کا اقرار کرنا کچھ بے عزتی کا موجب نہیں ہے نہ جاتی تو سدا کو دیانت سے آنکھ پھینپتی ہی رہتی آپ کے کہنے سے ایک کھٹکا سا ہو گیا تھا۔ اب تو دل میں ایک عجیب طرح کی خوشی پاتی ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔

محمودہ۔ اس میں شک نہیں بڑے حوصلے اور بڑی ریاست کی بات آپ کی جو منے کا خوش ہوگا اور تعریف کرے گا اور خدا کی درگاہ میں تو اس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ جتنی کتابیں آج تک میں نے پڑھی ہیں سب میں یہی لکھا ہے کہ دل آزاری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں اور دلجوئی سے بڑھ کر نیکی نہیں۔

محمودہ اور حسن آرا میں یہ باتیں بھی ہوا کیں اور کام بھی ہوتا رہا اور دھرم گفتگو ختم ہوئی۔ ادھر کڑھائی اتری ہر ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا لے بھر چنگیر تو اللہ کے نام مسجد میں گیا جو باقی رہا پہلے اُستانی جی کے آگے رکھا۔ مگر اُستانی جی رونے سے تھیں لڑکیوں سے کہا تم شوق سے کھاؤ پیو غرض سب نے مل کر خوب کھایا۔

# نیکی اور سچی خیرات

سب کے برابر ایک حصہ دیانت کو بھی ملا تھا۔ دیانت پکوان گو دین لیے دے یاؤں باہر نکلی اُسے جاتے ہوئے محمود نے دیکھ لیا اور چپکے چپکے حسن آرا سے کہا۔

بگیم صاحب بگیم صاحب لیجئے آئیے میں آپ کو اپنے کہے کی تصدیق کرا دوں۔ اور حسن آرا کا ہاتھ پکڑ کھڑکی کی آڑ میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اتنے میں دیانت بی ہمسائی کے گھر جا پہنچی نام لے لے کر ان کے سب بچوں کو پیار سے بلا بلا اپنے پاس بٹھایا اور وہ پکوان جو ملا تھا ان سب کو اپنے ہاتھ سے کھلا دیا۔ جب کھا چکے تو سب کا ہاتھ منہ دھلا کر آپ چلنے کے ارادے سے اٹھیں اور چلتے چلتے سب پر تاکید کرتی آئی کہ خبردار چکنائی پر کوئی پانی مت پی لینا کھانسی ہو جائے گی۔ دیانت گھر آئی تو محمود نے پوچھا کیوں بی ماما پکوان کیسا تھا؟

ماما۔ سبحان اللہ! بڑے مزے کا مجھ کو تو بہت ہی بھلایا۔ یہ سن کر محمود نے حسن آرا سے کہا دیکھا آپ نے کس درجہ کی یہ عورت نیک ہے۔ کیسا ہی کوئی گیا گزرا ہو۔ پھر بھی کڑھائی ہوئی نئی چیز مोजی للچا سی اٹھتا ہے۔ خصوصاً بڑھوں کو تو کھانے کا غضب کا ہو کا ہوتا ہے۔ لیکن دیکھیے دیانت نے کتنا اپنے پتے کو مارا ہے اور اس غریبی پر کیا استغناء ہے کہ آپ پکوان چکھا تک نہیں۔

حسن آرا۔ کیا دیانت سے اور ہمسائی سے کچھ رشتہ ناٹھ ہے؟

محمودہ۔ ہرگز نہیں۔ دیانت سیدانی ہے۔ اور ہمسائی پٹھانی اور یہ ہمسائی تو پانی پت کر نال کی طرف کی رہنے والی ہے۔ اکیلی آپ سے اور میاں کا کسی

سے بھی رشتہ ناٹھ نہیں۔ رشتے ناٹھے پر سلوک تو سبھی کوئی کرتا ہے۔ یہ بھی دیانت ہی کا حوصلہ ہے کہ جان نہ پہچان اور دل و جان قربان اور ذرا اس خیر خواہی کو دیکھیے کہ خبردار کوئی پانی نہ پی لیتا اور اس اخفا پر نظر کیجیے کہ کیسے دیے پاؤں گئی اور میں نے پوچھا تو کپوان کی کیسی تعریف کی کہ گویا آپ ہی کھایا۔ سچی خیرات اسی کو کہتے ہیں نہ یہ کہ دیں تو خدا کے نام اور اپنا نام و نمود چاہیں۔ بھلا لنگر بانٹنا اور ڈھول بجا کر دینا کیا ضرور ہے۔ دینا وہی ٹھیک ہے کہ کانوں کان خبر نہ ہو۔ اتنے میں دیانت نے محمودہ سے کہا صاحبزادی اب تو کڑھائی تل تلا چکیں وہ روپیہ جو تم نے مجھ کو دیا تھا اس میں کے کچھ پیسے بچے ہوئے میرے پلے بندھے ہیں کہیں کھل کھلا پڑیں گے اس کا حساب کر تو بہتر ہے۔

محمودہ۔ یاد ہے کیا کیا چیز لائی ہو؟

ماما۔ ۶ گھی۔ دو پیسے کے تیل۔ ڈیڑھ کونے کا بسین۔ ۳ کی کھانڈا رکا دہی ۲ کا میدہ بس یہی چیزیں تو اس روپیہ میں آئی ہیں۔

محمودہ۔ بواکنیز فاطمہ دیکھو تو ماما پلے میں آٹھ پیسے بندھے ہیں۔ کھول لاؤ کنیز فاطمہ نے پیسے لا محمودہ کے ہاتھ میں دیئے۔

حسن آرا۔ دیکھو کیسے پیسے ہیں گئے تو آٹھ تھے۔ تب تو اس نے حیران ہو کر محمودہ سے پوچھا۔ اچھی تم نے بگنے کیوں کر جان لیا تھا کہ آٹھ ہیں۔

محمودہ۔ حساب سے۔

حسن آرا۔ حساب کیا۔

محمودہ۔ حساب یہ کہ روپیہ کے سولہ آنے اور آنے کے چار پیسے جتنا خرچ ماما نے بتایا اس کو میں نے جوڑا تو ۱۴ روپے ۲ باقی رہے۔ جن کے چار

آدھنے آٹھ پیسے ہوئے۔

حسن آرا۔ یہ تو عجیب چیز ہے میں نے اپنے گھر میں تو ایسی بات کبھی نہیں سنی۔  
محمودہ۔ عجیب اور بڑے کام کی چیز ہے۔ دنیا بھر کالین دین اچاپت بیوی پار  
سب حساب پر موقوف ہے۔ ممکن نہیں کہ آپ کے گھر حساب نہ ہوتا ہو۔  
آپ کا گھر تو بڑا امیر ہے۔ غریب سے غریب گھر میں بھی تھوڑا بہت  
حساب ضرور ہوتا ہے۔

حسن آرا۔ کیا یہ بھی کوئی پڑھنے کی چیز ہے؟  
محمودہ۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جو پڑھنے میں نہ ہو۔ مگر چھوٹا موٹا حساب  
لوگ زبانی بھی سیکھ لیتے ہیں۔ اور بازار کے بنٹے بقال حلوائی وغیرہ سب بقدر  
ضرورت حساب سے واقف ہوتے ہیں۔

حسن آرا۔ مکتب کی یہ لڑکیاں بھی حساب جانتی ہیں۔  
محمودہ۔ بعض تو ان میں بہت جانتی ہیں۔ مشکل مشکل باتیں نکال لیتی ہیں جن کو  
ان پڑھ آدمی مہینوں کے سوچ بچار سے بھی نہیں نکال سکتے اور بعض جو  
مبتدی ہیں وہ بھی بازار والوں سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ اگر فرمائیے  
تو میں آپ کے رُوبرُو ان سے کچھ حساب کے سوالات پوچھوں۔ دیکھئے کہ  
کیسے تڑتڑ جواب دیتی ہیں۔

حسن آرا۔ بہت خوب۔

## حساب کی دلچسپ باتیں

محمودہ۔ کیوں کلثوم تمیں اور سات اور نول کر کے ہوتے ہیں۔  
کلثوم۔ انیس۔



محمودہ۔ اور بھلا آٹھ اور چھ اور دو؟

کلثوم۔ سولہ۔

محمودہ۔ بھلا پچیس روپے سے آٹھ روپیہ خرچ ہو جائیں تو کس روپے پچیس۔

کلثوم۔ سترہ۔

محمودہ۔ بھلا یہ بتاؤ سوا سو کتنے روپے ہوتے ہیں؟

کلثوم۔ سوا اور پچیس۔

محمودہ۔ بھلا پونے چار سو کتنے ہوتے ہیں؟

کلثوم۔ تین سو پچھتر یا پچیس کم چار سو۔

محمودہ۔ شاباش بوا شاباش جب جانیں ایک بات بتاؤ کہ آمنہ غدر میں سات

برس کی تھی اور غدر کو اب چھ برس ہوئے تو آمنہ کی عمر اب کس برس

کی ہے؟

کلثوم۔ تیرہ برس۔

محمودہ۔ ٹھیک بہن ایک بات اور بتاؤ کہ آمنہ کا بھائی اُس سے چار برس بڑا

ہے تو بھلا غدر سے کس برس پہلے ہوا تھا؟

کلثوم۔ سوچ کر گیارہ برس۔

محمودہ۔ اچھا زبیدہ تم کلثوم سے زیادہ پڑھی ہو بھلا بتاؤ تو بارہ لڑکیاں

اگر ہنڈ کھیا میں تین تین پیسہ کا سا بھلا ملائیں تو سب کے آنے ہوں گے؟

زبیدہ۔ تو آنے۔

محمودہ۔ ڈیڑھ سیر میوے میں اگر چھ لڑکیوں کے برابر چھٹے لگائے جائیں تو ہر ایک

لڑکی کو کتنا پیسے گا؟

زبیدہ۔ پاؤ بھر۔

محمودہ۔ دو سو آم ہوں اور دس لڑکیاں تو کتنے کتنے ہر ایک کو ملیں گے۔

زبیدہ۔ یہ تو بہت ہی صاف ہے۔ بیس بیس۔

حسن ارا۔ یہ گلاب کا درخت جو انگٹائی میں لگا ہے۔ پندرہ پھول روز کے روز اس سے اترتے ہیں۔ بیٹے بھر میں کتنے پھول ہوں گے؟

زبیدہ۔ ساڑھے چار سو یعنی چار سو اور پچاس۔

محمودہ۔ کیوں صاحب سات آنے کے حساب سے سات گز ایک پانچامے

کی دریس کے کیا دام ہوئے؟

زبیدہ۔ سوچ کر۔ تین روپے ایک آنہ۔

محمودہ۔ دو روپے کا آٹھ گز کا تھان تین روپے کو ٹھہرے تو کتنے گز پڑا۔

زبیدہ۔ لکھ کر جوڑ لوں؟

محمودہ۔ نہیں صاحب! زبانی سوچ کر کہو کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔

زبیدہ۔ تھوڑی دیر تامل کر کے چھ آنے گز۔

محمودہ۔ بھلا ڈیڑھ آنے کا چھٹانک بھر گھی تو آدھ سیر کتنے کا ہوا۔

زبیدہ۔ بتھیلی پر کچھ انگلیوں سے لکھ کر۔ بارہ آنے۔

محمودہ۔ گز میں کے گز؟

زبیدہ۔ سولہ۔

محمودہ۔ اور من میں کے سیر؟

زبیدہ۔ چالیس۔

محمودہ۔ خوب بہن! اچھابی رابعہ تم تو تشریف لاؤ۔ تم تو بڑی حسابی ہو۔ بتاؤ

تو گرہ عرض کی درس ایک پانچامہ میں نو ہی گز لگتی ہے تو پورے گز بھر

کا عرض ہو تو کتنی لگے گی؟

رابعہ تختی پر لکھ لوں۔

محمودہ۔ بہت اچھا۔ لیکن جلدی جواب دو۔ نہیں تو بڑا زچلا جائے گا۔

رابعہ۔ دو لمحہ بعد پانچ گز ایک گز۔

محمودہ۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ والمان جس میں ہم سب بیٹھے ہیں۔ چھ گز لمبائی اور

دھائی گز کا چوڑا ہے۔ چاندنی میں کتنا مارکین خرچ ہوگا؟

رابعہ۔ اور مارکین کا عرض۔

محمودہ۔ یہی معمولی گز بھر۔

رابعہ۔ پورے پندرہ گز۔

زبیدہ۔ ایک سوال بتا دو۔ تم کو بڑی شایاش دیں۔ یہ بڑی مسجد کا حوض چھ گز مربع

ہے۔ یعنی لمبان چوڑان برابر اور دو گز گہرا اور ایک گز مربع میں تین مشک پانی

آتا ہے اور ایک مشک میں پچیس لوٹے اور ایک لوٹے میں پندرہ گلاس

اور ایک گلاس میں ادھ پاؤ پانی تو سارے حوض میں کتنا پانی ہوا۔

رابعہ۔ پاؤ گھنٹہ بعد دو سو تریس من پانچ سیر۔

حسن آرا۔ اسے ہے ان کم بخت جان ہارون کو کیسی باتیں آگئی ہیں۔ لڑکیاں

ہیں کہ بلا ہیں۔

محمودہ۔ اس سے بھی میں عجیب عجیب باتیں ان کو معلوم ہیں میں نے آپ کے سمجھانے

کو آسان آسان باتیں ان سے پوچھیں۔ کیوں باجرہ جامع مسجد کے مینار کو

بے گریبے رسی اور بے اوپر گئے تاپ سکتی ہیں۔

باجرہ۔ بے شک مجھ کو وہ سائے کا حساب یاد ہے۔ کوئی دو مہینے کی بات ہے

کہ ہمارے کنبے سے ایک برات پول گئی تھی میں ساتھ تھی۔ راہ میں قطب

صاحب کی لاٹ کے پاس ناشتہ کرنے کو ٹھہری مجھ کو تو اس قاعدے کا بڑا

اچنبھا تھا۔ جھٹ میں نے ایک تنکا لے اور سایہ ناپ وہیں زمین پر حساب لگایا۔ ساتھ والیاں مجھ کو چھیڑنے لگیں کہ یہ دن دیاڑے کیا تنکے چنے لگیں غرض میں نے وہ ناپ جو میرے حساب سے نکلی تھی یاد رکھی لوٹ کر گھر آئی تو صنایید مجھ میں دیکھا۔ ٹھیک وہی لمبان تھی۔ کوئی شاید دو گز کا بل تھا۔

رابعہ۔ اجی بوا باجرہ سائے کا حساب مجھ کو بھی بتا دو گی۔

باجرہ۔ اچھی ایک بڑی آسان بات ہے۔ ایک تنکا لے کر اس کو ناپ لیا پھر اس کو دھوپ میں سیدھا کھڑا کر کے اس کے سایہ کو ناپ لیا پھر لاٹ کے سایہ کو ناپ ڈالا تو رابعہ متناسبہ کے قاعدے سے جو تم کو معلوم ہے لاٹ کی لمبان نکل آئے گی۔ اس طور پر کہ اتنے لمبے تنکے کا سایہ اس قدر لمبا پڑتا ہے تو لاٹ جس کا سایہ اتنا لمبا ہے کتنی اونچی ہوگی۔

رابعہ تو اتنا اشارہ پا کر خوشی کے مارے اچھل پڑی لیکن حسن آرا تو رابعہ وغیرہ تو کچھ جانتی نہ تھی وہ اس معجمہ کو کیا سمجھتی باجرہ کی طرف مخاطب ہو کر بولی انوری جھوٹی انوری لپاڑن آپ خیر سے ابھی پوری چار ہاتھ کی بھی نہیں ہوئیں اور ہزاروں کو سس کی اونچی لاٹ ناپنے چلیں تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔

محمودہ۔ ایس ایس بیگم صاحب! آپ کا یہ کیا دستور ہے کہ باتوں ہی باتوں میں ناحق بگڑ بیٹھتی ہیں۔

حسن آرا۔ خدائے پاک کی قسم میں تو کچھ بھی نہیں بگڑی اور نہ میں نے کچھ کہا۔

محمودہ۔ یہ جلدی سے قسم کھا لینا اور غضب ہے۔

حسن آرا۔ یوں بات کاٹنے پر آؤ تو بولنا ہی غضب ہے۔

محمودہ۔ اگر ذرا آپ انصاف سے میری بات سنیں تو میں کچھ عرض کروں اور

اگر بیجا ہو تو میں قائل ہو جاؤں گی۔  
حسن آرا۔ بھلا کچھ تو کہیے۔

## قسم کھانے کی بُرائی

محمودہ۔ اول تو یہ بتائیے کہ آپ نے خدا کی قسم کیوں کھائی۔

حسن آرا۔ تاکہ تم کو میرے کہنے کا اعتبار ہو۔

محمودہ۔ یہ آپ کی سمجھ کا پھیر ہے۔ جس کی بات کا اعتبار نہیں اس کی قسم کا  
لاکھ دفعہ اعتبار نہیں۔

حسن آرا۔ خیر میں نے یوں ہی قسم کھالی تو بُرا کیا کیا؟

محمودہ۔ بے شک بُرا کیا خدا کو آپ نے لڑکیوں کی گڑیا بنا لیا ہے۔ یا بچوں کا کھلونا

قرار دیا ہے۔ آپ کو اس دو جہاں کے مالک اور بادشاہ کا نام اس بے احتیاطی

سے لیتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔ یہ دیکھیے دُنیا کی بے ایمانی کہ آدمی آدمی کا ادب

کرے تو نام لیتا ہے۔ اور خدا کی یہ بے وقعتی اور بے وقوری کہ بات بات

میں اس کا نام لیا جائے جب میں کسی کو خدا کی قسم کھاتے سنتی ہوں میرے

رونگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور حیران ہو کر مُنہ دیکھنے لگتی ہوں۔ کیوں کہ

بے دھڑک یہ لفظ اُس کی زبان سے نکلا۔

حسن آرا۔ خدا کا نام لینا منع ہوتا تو اذانی اور نماز میں کیوں لیتے؟

محمودہ۔ عبادت میں نام لینا دوسری بات اور خدا کے نام کو تکیہ کلام قرار دینا

اور جا بجا بول اٹھنا بالکل خلافِ ادب ہے۔  
 حُسن آرا۔ لوگ تو بات بات میں واللہ باللہم کہا کرتے ہیں۔  
 محمودہ۔ جو بات کہ بُری ہے اگر دنیا بھر اُس کو کرنے لگے تو اچھی نہیں ہو سکتی اور  
 اگر دنیا کے لوگوں کی مثال لیجئے تو اچھے دیندار اور نیک بندے بہت  
 سی کم ملیں گے۔ آپ ذرا اتنی بات پر غور کر لیجئے اور خدا کی عظمت اور  
 اُس کی بڑائی اگر ہمارے دل میں ہے تو ممکن نہیں کہ اُس کے نام پاک کے  
 ساتھ ہم اس بے احتیاطی سے پیش آئیں۔ آدمی بال بال گنہگار ہے اپنے  
 تئیں دیکھے اور اس خداوندِ عالی جاہ کی شان اور اُس کے تقدس پر نظر  
 کرے۔

حُسن آرا۔ ایتہ قسم کھانا تو بہت ہی بُری بات ہے تو یہ تو بہ پھر میرے مُنہ سے  
 قسم نکلے تو بے شک میرے مُنہ پر طمانچہ کھینچ مارنا۔  
 محمودہ۔ ایسا کیوں ہونے لگا۔ آپ بھی آئندہ سے خیال رکھیں اور جو کبھی آپ  
 کے ذہن سے بات اُتر گئی تو میں یاد دلا دوں گی۔

## بچوں میں پاس ادب

خیر یہ تو ہو چکا اب میں پوچھتی ہوں کہ آپ نے بیچاری زبیدہ کی  
 دل شکستی کیوں کی؟  
 حُسن آرا۔ بوا میں نے تو زبیدہ کو کچھ نہیں کہا تم ناحق زبیدہ کو مجھ سے لڑاتی ہو۔  
 محمودہ۔ جھوٹی لپاٹن کہا اور کچھ بھی کہا۔ یہ وہی دیانت کی سی بات پھر آئی آپ  
 نہیں جانتیں کہ جھوٹ یوں لٹا بڑے عیب کی بات ہے اور بھلے مانسوں کی  
 بہو بیٹیاں جھوٹ نہیں بولا کرتیں۔ کسی کو جھوٹی کہہ دینا ایسا ہی ہے



جیسے کسی کو چوری لگا دیتا۔

حسن آرا۔ یو اےس نے تو ہنس ہی ہنس میں کہا تھا۔ آپس کی جیسے تکلفی میں ایسی بات بے ساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے۔ اگر رات دن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے ایسا تکلف کریں تو زندگی دشوار ہو جائے۔

محمودہ۔ یہ تو کچھ ہنس اور بے تکلفی کی بات نہیں بلکہ لڑائی اور بگاڑ کی بات ہے اگر ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایسی باتوں کا لحاظ نہ رہے گا تو پھر عادت پڑ جائے گی اور شاید یہی سبب ہو کہ آپ اس دن دیانت کے ساتھ ایسی بے تکلفی کر بیٹھیں۔

حسن آرا۔ بھلا میرا ہی قصور تھا یا زبیدہ کا بھی تھا کہ وہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے چلی تھی۔

محمودہ۔ زبیدہ بیچاری کی تو کچھ بھی خطا وہ تو ایک واجب بات کہہ رہی تھی۔  
حسن آرا۔ واجب۔ اگر یہی واجب ہے تو.....

محمودہ۔ آپ نے ابھی کچھ پڑھا نہیں آپ کو دنیا جہاں کی خبر ہو تو کیوں کہہ ہو۔ آپ کے نزدیک تو زبیدہ کی بات غیر واجب ہونی ہی چاہیے۔ مگر جب زبیدہ کو آپ نے جھوٹی لپاٹن کہا نہیں معلوم مجھ کو کیا خطاب ملے اس ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

حسن آرا۔ برائے خدا جو کچھ جی میں ہے کہہ ڈالیے۔

محمودہ۔ کہہ ڈالوں پھر برا تو نہ مانسے گا۔

حسن آرا۔ بے شک کہہ ڈالیے۔ میں ہرگز برا نہ مانوں گی۔

محمودہ۔ سلیم صاحب امیر زادی ہوتا اور بات ہے اور علم و عقل دوسری بات ہے آپ اتنا تو جانتی ہی نہیں کہ کوس کس جانور کا نام ہے۔

حُسن آرا۔ کیوں میں میں کوس کو خاصی طرح جانتی ہوں۔ بتا چلوں۔ قدم شریف ایک کوس ہمالیوں کی بھول بھلیاں تین کوس۔ قطب صاحب سات کوس اور (آپ کبھی گئی ہیں) میرٹھ پچیس کوس۔ پانی پت چار منزل میں تو بڑی بڑی دور ہو آئی ہوں۔

محمودہ۔ درست کبھی قطب صاحب کی لاٹ کو آپ نے ہزاروں کوس کی لمبی بتایا۔ حُسن آرا۔ کیوں۔ ہزاروں کوس کی لمبی نہیں ہے۔ کبھی آپ نے نیچے کھڑے ہو کر بھی لاٹ کو دیکھا ہے۔ لقا کوتر کی طرح آدمی الٹا ہی تو گر پڑتا ہے۔ کبھی اوپر جانے کا اتفاق ہوا ہے اچھے مردوں کا دم ہی تو پڑھ جاتا ہے۔ محمودہ۔ کیا ضرور ہے کہ اگر اوپر جانے میں اچھے مردوں کا دم پڑ جائے تو لاٹ ہزاروں کوس لمبی ہو۔

حُسن آرا۔ میں تو اس سے قیاس کرتی ہوں کہ ضرور ہزاروں کوس کی لمبی ہوگی سنا ہے کہ بعضے مرد سے پندرہ پندرہ بیس بیس کوس چل جانا کچھ بات نہیں سمجھتے اور لاٹ پر چڑھنے میں ہانپنے لگتے ہیں اور دم پھول آتا ہے تو ضرور لاٹ کچھ بہت ہی اونچی ہوگی۔ محمودہ۔ اس کا سبب میں آپ کو سمجھاؤں۔

## زمین کی کشش

جتنی چیزیں ہیں سب کو زمین اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جو چیز اوپر کو پھینکتے ہیں۔ کچھ دور تو پھینکنے والے کے زور اور زبردستی سے اوپر کو چلی جاتی ہے۔ پھر آخر زمین کی کشش اس کو نیچے کھینچ لاتی ہے۔ پھر کو اوپر پھینکو اور دیکھتی رہو تو ایسا معلوم ہوگا کہ جوں جوں اوپر کو جاتا ہے اس کی چال سُست اور دھیمی ہوتی جاتی

ہے اور پھر جو اٹتا ہے تو تیر کی طرح زمین کی طرف دوڑتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ چیزیں زمین کی کشش کے ماتھے اوپر کو نہیں جانا چاہتیں بلکہ جو جاتی بھی ہیں تو بڑی زبردستی اور مشکل سے اسی طرح جب آدمی لاٹ کے اوپر جانے لگا تو اس کے بدن کا بوجھ اُس کو روکتا ہے اور یہ زبردستی اپنا تمام بوجھ اُچکا اُچکا کر اوپر کی طرف لیے چلا جاتا ہے۔ اسی واسطے اوپر جانے میں بڑا زور پڑتا ہے اور آدمی جلدی تھک جاتا ہے۔ پھر جو نیچے اترنے لگتا ہے تو دیکھو کیسے دم دم جلدی جلدی نیچے اتر آتا ہے کیونکہ ایک تو خود اس کا اپنا زور دوسرے بدن کے بوجھ کا جھکاؤ دوسرا بل ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی ہمارا بالا خانہ کچھ ایسا بہت اونچا بھی نہیں اٹھارہ سیرٹھیاں ہیں پھر بھی جس کو عادت نہیں اس کو چڑھنا کتنا مشکل پڑتا ہے۔ اماں جان جب کبھی ضرورتاً اوپر جاتی ہیں تو کوٹھے پر پہنچتے ہی دم لینے کو بیٹھ جاتی ہیں۔ مگر اترنے میں ہرگز یہ وقت نہیں ہوتی۔ غرض لاٹ کے اوپر جانے میں دم کا چڑھ جانا اُس کی بلندی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

حسن آرا۔ خوب صاحب خوب! یہ تو آج میں نے بالکل ایک نئی بات سنی کہ زمین چیزوں کو کھینچتی ہے۔ مگر یہ تو فرمایا ہے کہ لڑکے جو کنکوسے اڑاتے ہیں، یہ خود بخود زمین سے کیوں دور ہو جاتے ہیں ایک مرتبہ ارجمند نے تکل کو ایسا بڑھایا تھا کہ آسمان سے ملا دیا تھا۔ کنکوا ہو یا تکل زمین کی کشش سب پر اثر کرتی ہے اور اگر پتنگ کو بڑھا کر رہتے دیا جائے تو گو ہوا کے جھکولوں سے دیر میں گرے مگر گرے گا ضرور۔

## وزن مخصوص

اس میں بھید یہ ہے کہ کوئی چیز ملکی ہے کوئی بھاری جتنی ہلکی چیزیں

ہیں خود بخود اوپر آجاتی ہیں۔ مثلاً گلاس میں اول تیل ڈال دیکھے اس کے اوپر پانی تو چونکہ تیل پانی کی نسبت ہلکا ہے خود بخود اوپر آجائے گا۔ یا ایک قتلے میں جھاڑو کے تنگے رکھ کر اس کو پانی سے بھر دیکھے آپ سے آپ اوپر آجائیں گے اور اسی بنیاد پر دریاؤں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ کیونکہ لکڑی پانی کی نسبت ہلکی ہوتی ہے۔ وہ اس کے نیچے بیٹھ نہیں سکتی بلکہ اس کو پانی کے نیچے رہنے سے اتنی نفرت ہے کہ تھوڑا بوجھ بھی ہو تو وہ اس کو سہارے رہتی ہے۔

حسن آرا۔ کشتیاں ڈوب بھی تو جاتی ہیں۔

محمودہ۔ جب بے انداز بوجھ لاد دیتے ہیں۔ فرضیکہ کنکوا ایسے پتلے کاغذ کا بناتے ہیں کہ اگر بنا کر اس کو تو لیں تو ایک یا دو ماشہ سے زیادہ نہ ہوگا مگر اس کو اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ ڈاک کا کاغذ جس پر خط لکھتے ہیں آدھا دستہ یعنی بارہ تختے مشکل سے ایک تولہ کے ہوتے ہیں۔ پس ایک تختہ کاغذ نے گز بھر جگہ تو گھیر لی مگر اتنی جگہ میں جو ہوا بھری ہے اگر ایک تختے کے وزن کو تقسیم کر کے دیکھو تو سیر بھر ہوا پر کوئی شخص خاص کے دانہ سے بھی کم بوجھ ہوا۔ لیکن تختے کی گولی بنا کر کاغذ کا سارا بوجھ اکٹھا ہو گیا اور گولی کی کیا بساط اتنی جگہ میں ہوا کتنی اتنی اس سبب سے کنکوا اوپر آجاتا ہے اور اسی کے برابر گولی نیچے گرتی ہے۔ دانشمندیوں نے زمین کی کشش پر جو بہت غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ فاصلے اور حسامت پر اس کا مدار ہے یعنی چیز جتنی ٹھوس ہوگی اسی پر کشش کا اثر زیادہ ہوگا۔ کوٹھے پر سے اگر ایک پتھر نیچے کو لڑکا دو تو جتنا وہ زمین کے قریب ہوتا جائے گا اس کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک پیسہ اور ایک پیسہ بھر کاغذ کی گولی باندھ کر ایک ساتھ دونوں کو اوپر سے گراؤ تو ظاہر میں کاغذ کی گولی پیسے کی نسبت قدرتِ قامت میں بڑی ہوگی۔

مگر چونکہ ٹھوس نہیں ہے پیسہ پہلے ہی کرے گا۔ دھواں بھی اسی قاعدے کے مطابق  
 ہمیشہ اُوپر کو جاتا ہے اسی واسطے کہ فکڑی وغیرہ کے اجزائے لطیف جو آگ  
 کی گرمی کے اثر سے باہر نکلتے ہیں انہیں کا نام دھواں ہے اور چونکہ ہوا سے  
 ہلکے ہوتے ہیں اس واسطے اُوپر کو چڑھتے ہیں۔  
 حُسن آرا۔ کیا ہی خوب بات آپ نے مجھ کو بتائی۔ مگر آپ کی باتوں سے ایسا معلوم  
 ہوتا ہے کہ آپ ہوا کو بھی ذنی سمجھتے ہیں۔  
 محمودہ۔ ضرور اور بے شک ہوا میں بھی یوجہ ہے۔

## ہوا کا ادب

حُسن آرا۔ ہوا نگوڑی بالکل ہلکی پھلکی ہے۔ اس میں یوجہ کہاں سے آیا؟  
 محمودہ۔ اس میں اتنا یوجہ ہے کہ تم سنو تو جبران ہو جاؤ۔ رو بہ بھر جگہ میں پانچ سیر سے  
 کم ہوا کا یوجہ نہیں ہوتا۔ اس حساب سے تمہارے بدن پر کئی ہزار من  
 یوجہ ہوگا۔

حُسن آرا۔ اے ہے نوح خدا نہ کہے کہ اتنا یوجہ ہو۔ میرا تو دب کر بھر کس ہو جائے۔  
 محمودہ۔ یہ بات غلط نہیں ہے۔ عقلمندوں نے ہوا کو تولی ہے۔ اور تول کو دریافت کیا ہے۔  
 حُسن آرا۔ جو بات آپ کہتی ہیں ایسی ہی کہتی ہیں کہ کسی کی عقل میں نہ سما سکے۔  
 محمودہ۔ البتہ بے علم لوگوں کی عقل میں یہ باتیں نہیں آسکتیں مگر یہ اُن کی عقل کا قصور  
 ہے۔

حُسن آرا۔ بھلا ہوا بھی کسی کے تولے تولی جاتی ہے۔  
 محمودہ۔ اُس کی تدبیر نیچے کہ ایک خالی بوتل لی اور اُس کو تولاؤ وہ یوتل خالی تو ہے  
 مگر پھر بھی اس میں ہوا ہے اس کو تولنے سے جو وزن ٹھہرا بہت تو اس میں

بوتل کا ہے اور کچھ ہوا کا۔ پھر بوتل سے ہوا نکال کر تولی تو دیکھا کہ وزن گھٹ

گیا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟

حسن آرا۔ بوتل سے ہوا کیوں کر نکالی جائے۔

محمودہ۔ اس کی ایک کل ہے۔ یوں منہ سے چوس لی جائے تو بھی نکل سکتی ہے۔

یا ایک اور طریقہ بھی اس کے امتحان کا ہے کہ ریڑھ کا پھکنا جس سے لڑکے

کھیلا کرتے ہیں پہلے اس کو توس موس کر تول لیا اب تو اس میں ہوا نہیں پھر

پھونک کر ہوا بھردی جب خوب خوب تن گیا۔ تو سر باندھ دیا اور پھر تولی تو

تول میں کچھ فرق ہوگا۔ اور اچھا کاٹنا ہوگا تو معلوم ہو جائے گا۔ جب چاہو

آزمالو۔

حسن آرا۔ مگر جتنا بوجھ آپ بتاتی ہیں وہ تو بالکل خلاف قیاس ہے۔

محمودہ۔ ہوا کا بوجھ جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اس کا بھی سبب ہے وہ یہ کہ

ہر جگہ اور ہر چیز میں ہوا ہے۔ اندر کی ہوا باہر کی ہوا کا روک کرتی ہے اگر باہر

ہو نہ ہو تو بدن پھٹ پڑے اور بعض دفعہ لوگ جو غباروں میں بہت اونچے

چڑھ گئے ہیں ان کو بخوبی اس کا تجربہ ہوا ہے کیوں کہ زمین کے آس پاس جو ہوا

ہے وہ بہت وزنی ہے اور جس قدر اوپر چڑھتے جاؤ گے ہلکی ہوتی جاتی ہے۔

یہ بات میں تم کو ایک بہت موٹی مثال میں سمجھا دوں۔ اگر روٹی کا بڑا انبار لگا

دیا جائے تو اوپر کی روٹی ضرور ہلکی ہوگی اور نیچے کی روٹی دب کر ٹھس ہو

جائے گی۔ بعینہ یہی حال ہوا کا ہے ہم لوگ زمین پر رہتے ہیں جیسی ٹھس ہوا

ہمارے اوپر اور آس پاس ہے ویسی ہی ہمارے بدن میں بھری ہوئی ہے۔

اور باہر کی ہوا کا دباؤ اور اندر کی ہوا کا زور برابر ہے۔ جب بہت اونچے

جاؤ اور اندر وہی ٹھس ہوا ہے۔ مگر باہر کی ہوا ہلکی ہے جس کا دباؤ اندر



کی ہوا کے زور کی نسبت بہت کم ہے۔ اسکی وجہ سے بدن پھٹنے لگتا ہے۔ تاکہ  
تم اس بات کو بخوبی سمجھ لو۔ میں دو مثالیں اور بیان کرتی ہوں۔ یہ تو مانتی  
ہو کہ پانی وزنی چیز ہے۔ یا اس میں بھی کچھ کلام ہے۔  
حسن آرا۔ پانی کے وزنی ہونے میں کس کو کلام ہے۔ مجھ سے تو دھیلے والی ٹھلیا  
بھی نہ اٹھائی جائے۔

محمودہ۔ خیر کبھی حوض میں نہ پانی ہو۔  
حسن آرا۔ سینکڑوں دفعہ ہمارے گھر خود زمان خانے میں بڑا لمبا چوڑا حوض ہے  
لو ہے کاجال پڑا ہے رنگ برنگ کی مچھلیاں پلے ہے۔  
محمودہ۔ پانی کے اندر کچھ پانی کا بوجھ بدن پر معلوم ہوتا ہے؟  
حسن آرا۔ نہیں تو!

محمودہ۔ کیا سبب؟  
حسن آرا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

محمودہ۔ سبب یہی کہ اوپر کا پانی داب کرتا ہے اور نیچے کا پانی اوپر کو اچھالتا  
ہے۔ اس واسطے کہ آدمی کا بدن پانی سے ہلکا ہے پس اوپر کا داب اور  
نیچے کا اچھال برابر برابر کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا اسی پر ہوا کو قیاس کر لو  
اور دوسری مثال یہ ہے کہ آئینہ تو بڑی نازک چیز ہے۔ استانی جی کے  
سنگار دان کا آئینہ دیکھا ہے۔

حسن آرا۔ وہی نہ جس کے بچوں بیچ دراز پڑی ہے۔

محمودہ۔ ہاں وہ دراز مجھ ہی سے بڑ گئی ہے۔ میں ایک دن سر میں کنگھی کر رہی تھی۔  
بال کی لٹ جو اٹھی میں جھٹک کر لگی سلجھانے۔ کنگھی ہاتھ سے چھوٹ کر دیسی  
آئینہ میں جاگری دیکھوں تو آئینہ میں بال آگیا خیر موٹی کنگھی اور طہنی میں اٹھ

گئی تھی نہیں تو چکنا چور ہو جاتا اتنی ٹھیس میں تو بال آگیا اور بھلا اسی آئینے پر تم کھڑی ہو جاؤ اور خیر نہ ہو۔

حسن آرا عجب ہے۔

محمودہ۔ الماری کھول آئینہ نکال لائی اور برابر جگہ میں رکھ کر حسن آرا سے کہا کہ لو اس پر بسم اللہ کر کے دونوں پاؤں سے کھڑی ہو جاؤ۔  
حسن آرا۔ نہ بوا کہیں ٹوٹ ٹاٹ جائے تو آئینہ کا آئینہ غارت ہو اور پاؤں میں کمرچ لگ جائے تو اور آفت ہو۔

محمودہ۔ احتیاط کی بات تو یہی ہے مگر اس وقت علم کا ایک مسئلہ حل ہوتا ہے لاؤ میں ہی سینگ کٹا بچھڑوں میں مل جاؤں یہ کہہ کر بے تکلف آئینے پر جا کھڑی ہوئی اور آئینے پر ذرا اچھ نہ آئی۔ حسن آرا تو دیکھ کر حیران رہ گئی اور بار بار آئینہ کو ہاتھ میں اٹھا غور سے دیکھا کی۔

محمودہ۔ خوب دیکھ لیجئے ٹوٹا کیسا بال تک بھی نہیں آیا اور کیوں آنے لگا تھا۔ جب اوپر سے میرا بوجھ دیا ہی نیچے سے زمین کا سہارا آئینے پر گزرنے لگا تھا۔  
حسن آرا۔ اب تو مجھ کو بھی یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کہ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

## کشش اتصال

محمودہ۔ زمین پر کیا منحصر ہے کل چیزیں ایک دوسری کو کھینچتی ہیں۔  
حسن آرا۔ زمین کا کھینچنا تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پھینک کر زمین پر گرتی ہے مگر یہ کیوں کہ دریافت ہوا کہ کل چیزیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں۔  
محمودہ۔ کئی باتوں سے اس سے شناخت ہوتی ہے اول تو یہ کہ پانی میں انگلی ڈبوؤ

تو پانی کی بوند سر سے پر لٹکتی رہتی ہے۔ اگر انگلی کی کشش نہیں ہے تو بوند گر کیوں نہیں پڑتی۔ اس کے سوائے ایک اور تھوڑے پانی میں ڈالیے تو دیکھئے گا کہ پانی الٹا کیوں چڑھتا ہے۔ ایک بات اور بتاؤں کہ کوٹھے پہ چلے ہو رہیں کچے سوت کا ایک باریک سا دھاگا لٹکاؤں اور اس کو تانے رہوں۔ چاہیے کہ سیدھا رہے۔ مگر دیوار کی کشش سے ضرور نیچ میں لچکا ہوا معلوم ہوگا۔ غرض کہ کشش کی قوت خدا تعالیٰ نے ہر چیز میں پیدا کی ہے۔ اور اس خاصیت پر غور کرتے کرتے دانشمندان فرنگ نے ہزاروں باتیں ایسی عجیب عجیب نکالیں کہ جن کے پڑھنے سے عقل کو تیزی اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔

حسن آرا۔ بھلا اگر سب چیزیں ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہیں تو سب مل جل کر ایک ڈھیر کیوں نہیں بن جاتیں۔  
محمودہ۔ کھینچ تو رہی ہیں مگر وہ کشش زور کی نہیں ہے۔ جیسی کہ متناطیس میں ہوتی ہے۔

## متناطیس

حسن آرا۔ متناطیس کیا ہے؟  
محمودہ۔ کیا تم متناطیس بھی نہیں جانتیں۔ متناطیس ایک قسم کا لوہا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے اس کو پتھر جانتے ہیں اور چنک پتھر کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس لوہے میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ وہ دوسرے لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس سے بڑھ کر ایک اور عمدہ اور مفید خاصیت اس میں یہ ہے کہ اگر متناطیس لوہے کی سوئی بنائی جائے تو ایک سر اس سوئی کا ہمیشہ اتر کو رہے گا اور

دوسرا دکھن کو۔

حسن آرا۔ یہ سب باتیں آپ سنی ہوئی کہتی ہیں یا دیکھی ہوئی۔  
 محمودہ۔ اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی اور اپنے ہاتھوں آزمائی ہوئی۔ بوا آمنہ وہ تمہاری  
 لوسے کی مچھلی کہاں ہے جو پانی میں تیرتی ہے اور بچہ کو لینے دوڑتی ہے۔  
 آمنہ ہے تو سہی میرے جزدان میں ہے نکال لاؤں؟ آمنہ دوڑی دوڑی جاوے  
 مچھلی اور بچہ نکال لائی اور محمودہ نے مچھلی حسن آرا کے ہاتھ میں دی کہ آپ  
 اس کو بخوبی غور سے دیکھ لیجیے نہ کہیں تار ہے نہ کوئی کل لگی ہے۔ حسن آرا نے  
 مچھلی کو اوپر تلے سے خوب دیکھا پھر آمنہ نے کہا کہ اب مچھلی کو الگ رکھ دو  
 تو لو اس کے بچے کو دیکھو۔

حسن آرا۔ اچھی مچھلی کو الگ کیوں رکھ دوں؟

آمنہ۔ بوا بچہ ماں کو دیکھے گا تو پیار کے مارے ماں سے لپٹ جائے گا۔ اور  
 پھر چھڑانا چاہو گی تو رونے لگے گا۔

محمودہ۔ اچھا آمنہ ان کو اس کے تیرنے کی سیر تو دکھاؤ۔ آمنہ چینی کے ایک پیالے  
 میں پانی بھر لائی اور مچھلی کو پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ مزے سے تیرنے لگی جب  
 اس کا بچہ دکھاتی وہ اس کی طرف دوڑتی۔ حسن آرا کی عقل دنگ تھی کہ کیا  
 ماجرا ہے اور بار بار پوچھتی اچھی اس میں کیا ہے۔

محمودہ۔ کچھ بھی نہیں مچھلی لوسے اور بچہ مضا طیس کا ہے جب بچے کو پاس لاتے دوڑی  
 آتی۔ ابھی دونوں کو ملا دو۔ ایک دوسرے کو چپٹ جائیں گے۔

حسن آرا۔ یہ تو بڑے اچھے کی چیز ہے۔

محمودہ۔ اب دوسرا چنیدا دیکھئے۔ باجرہ! دیکھنا بوا وہ کھونٹی میں سا بنے اسٹا جی  
 کی تسبیح لٹک رہی ہے۔ اچھی ذرا تمہارا ہاتھ لمبا ہے اتار لینا۔ باجرہ تسبیح

اتار لائی امام کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیری کا عطر دان تھا۔ اسی میں قبلہ نما لگا تھا۔ محمود نے ڈبیہ کھول حسن آرا کو دکھایا کہ دیکھیے لال مرغ دیکھتی ہیں۔ اس کا یہ خاصہ ہے کہ پچھیم کو منہ اور پورب کو دم اور واہنا بازہ واہتر کو اور بایاں نوکھن کو رہتا ہے۔ جب جائیں اس کا رخ پھیر دیکھیے۔ حسن آرا نے بہتر اڈیا کو گھمایا اٹا سیدھا کیا اصل مرغے کی ایک ٹانگ جب ذرا اڈیا سیدھی ہوئی مرغی جھٹ پچھیم کو منہ پھیر کھڑا ہو گیا۔

حسن آرا۔ اے ہے کم بخت کیسا ضدی مرغی ہے کسی ڈھب ماننا ہی نہیں ہوئے کے حلق پر چھری پھیر دو۔ کیوں بوا محمودہ بیگم آخر یہ سب کھلونے ہی ہیں۔ محمودہ۔ وہ مچھلی تو کھلونا ہے۔ مگر قبلہ نا کھلونا نہیں ہے۔ بڑے کام کی چیز ہے جھٹکل ہوئی جگہ ہو۔ رات ہو برسات ہو اس کے ذریعہ سے سمت معلوم ہو جاتی ہے سمندر میں جب جہاز چلتے ہیں تو چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ نہ سڑک ہے نہ راہ نہ کوئی درخت نہ پہاڑ کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ کدھر جاتے ہیں۔ کہاں ہیں۔ تو اگلے زمانہ میں تا خدا ستاروں کی شناخت سے کام نکالتے تھے لیکن کبھی رات کو بادل ہوا تو تارے نظر نہ آتے بڑی دقت ہوتی تھی۔ جہاز سینکڑوں کوس کہیں سے کہیں چلے جاتے تھے۔ اور آخر تباہ ہو جاتے تھے۔ جب سے مقناطیس کا خاصہ دریافت ہوا بڑا اطمینان ہو گیا ہے۔ ہے تو ذرا سی سوئی مگر لاکھوں روپے کا کام دیتی ہے۔ کروڑوں روپے مال تجارت جو سمندر کی راہ انگریزوں کی ولایت سے آتا جاتا ہے۔ اسی سوئی کی بدولت ڈوبنے سے بچتا اور لاکھوں آدمی جو سمندر پر سفر کرتے ہیں بے خوف و خطر آتے جاتے ہیں۔ ہاں تو زمین کا چیزوں کو کھینچنا یا چنزوں کا آپس میں ایک دوسرے کو کھینچنا ایسے زور سے نہیں ہوتا جیسے مقناطیس

لوہے کو کھینچتا ہے۔

## زمین گول ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے

مگر کیا خدا کی قدرت ہے کہ اسی کی کشش کی وجہ سے زمین گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔

حسن آرا۔ زمین گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی اور آفتاب کے گرد

چکر لگا رہی ہے؟

محمودہ۔ جی ہاں گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی اور آفتاب کے گرد

چکر لگا رہی ہے۔

حسن آرا۔ تم تو غضب ڈھانے اور دنیا جہاں کو اندھا بنانے لگیں۔

محمودہ۔ کیوں! کیا کچھ غلط کہتی ہوں۔

حسن آرا۔ اب کہوں گی تو بڑا مانو گی ایک زبان کا دند اُخانے حوالے کر

دیا ہے۔ چاہو زمین کو گیند بناؤ۔ لڑھکاؤ جو چاہو سو کرو۔ اور جو کہیں

پہنچ زمین گیند بن کر لڑھکنے لگے تو ایک ہی پلٹے میں بیوی صاحب کا جھوٹا

سچ سب نکل جائے۔

محمودہ۔ بھلا زمین کا گول ہونا اور لڑھکنا اور آفتاب کے گرد چکر کھانا ثابت

ہو جائے تب تو مانے گا۔

حسن آرا۔ میں تو کچھ باؤلی نہیں ہوئی تمام زمانہ اس کا قائل ہو جائے تو بڑی

ماننے والی نہیں مجھ سے تو آنکھوں پر ٹھیکری نہیں رکھی جاتی صریحاً دیکھ



رہی کہ اچھی خاصی طرح زمین چوڑی چکلی نظر آرہی ہے۔ پھر ناحق گول کیوں سمجھ لوں۔

محمودہ۔ پس اسی واسطے آپ زمیں کو گول نہیں سمجھتیں نہ کہ آنکھ سے چوڑی چکلی نظر آرہی ہے۔

حسن آرا۔ دنیا میں آنکھوں دیکھی بات کا سب سے بڑھ کر اعتبار سے مگر آپ اس کو بھی جھٹلا دیجئے۔ دو چار باتوں میں جو آپ نے مجھ کو قائل کر دیا تو کیا مجھ کو ایسا بے وقوف بنا لیا ہے کہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتی۔ محمودہ۔ بھلا اگر آنکھ غلطی کرتی ہو۔

حسن آرا۔ میری یا سب کی۔

محمودہ۔ سب کی۔

حسن آرا۔ ہاں تو مجھ کو اس سرسبز کا نسخہ معلوم نہیں کہ لگاتے ہی زمین گول نظر آنے لگے۔

محمودہ۔ وہ نسخہ میں آپ کو بتاؤں گی۔ بواذیبیدہ ذرا وہ خوردبین شیشہ تو آسانی جی سے میرا نام لے کر مانگ لاؤ۔ دیکھنا ذرا سنبھال کر لانا۔

## خوردبین

زبیدہ خوردبین لے آئی۔

محمودہ۔ لیجئے ذرا اس شیشے کو تو دیکھیے۔

حسن آرا۔ یہی شیشہ ہے جس میں زمین گول دکھائی دیتی ہے۔

محمودہ۔ نہیں زمین تو گول نہیں دکھائی دیتی مگر اور بہت سے نشانے نظر آتے ہیں۔ حسن آرا نے دیکھا تو بولی اسے ہے یہ سر کے بال ایسے لاؤ کی برابر

موٹے اچھی دیکھنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بال بیچ میں نے کی طرح کھوکھلا  
کھوکھلا ہے۔

محمودہ۔ ہاں میں نے دیکھا ہے۔ اندر سے بال کھوکھلا ہوتا ہے۔  
حسن آرا۔ یہ لو اور سیر دیکھو بدن کے رنگے رنگے میں چھید، مکھی کو تو دیکھو نر ارد  
لاکھوں آنکھوں اور پروں میں اتنے رنگ۔ اُو ہوا میں اتنے بھنگے اللہ اکبر پانی  
میں یہ بلا کے کپڑے شیشہ تو عجیب طلسمات کا شیشہ ہے۔  
محمودہ۔ اسی شیشہ سے تو آنکھ کی کوتاہی ثابت ہوتی ہے۔

حسن آرا۔ آنکھ کی کوتاہی کیا ثابت ہوتی ہے۔ خدا جانے اس میں کیا بلا بھری  
ہے کچھ جادو کا شیشہ معلوم ہوتا ہے ایک سفید شیشے کا سہ پہل مگر امیر سے  
پاس بھی ہے اس میں اور ہی خواص ہیں جس چیز کو دیکھو ہے تو سفید مگر اس  
میں دیکھنے سے گوٹ کی طرح نیلی ہری لال دھاریاں نظر آتی ہیں۔  
محمودہ۔ وہ تمہارا سہ پہل شیشہ بھی سچا ہے ایک کتاب میں میں نے رنگوں کا  
تھوڑا سا بیان پڑھا ہے۔

## رنگ

اس میں لکھا ہے کہ دنیا میں بہت سے رنگ ہیں مگر اصلی رنگ تین ہیں۔  
زرہ۔ سیاہ۔ سرخ اور باقی سب رنگ انہیں رنگوں سے بنتے ہیں۔ اور لوگ  
خیال کرتے ہیں کہ کوئی رنگ نہ ہو تو سفید کہا جاتا ہے لیکن عقلمندوں نے جو  
چھان بین کی توبہ دریافت ہوا کہ سب رنگ مل کر سفید ہوتا ہے اور اگرچہ اس  
بات کی دلیلیں ہیں مگر سہ پہل شیشے میں آنکھوں سے دیکھ لیا برسات میں جو ایک  
رنگین کمان آسمان میں نکلا کرتی ہے۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ہوا میں جو

پانی کی بہت ننھی ننھی بوندیں رہ جاتی ہیں جب آفتاب سامنے آیا اس کی شعاع بوندوں میں رنگین نظر آنے لگی۔ ایک مرتبہ میں سر دھو کر اٹھی بال تم تھے میں نے ہاتھ سے جھٹکے بوندیں جو اڑیں تو عجیب عجیب رنگ دکھائی دینے لگے ہیں اس تماشے میں ایسی محو ہوئی کہ جب تک بالوں میں ذرا نمی رہی میں بالوں کو برابر جھٹکتی رہی۔ کہیں اُستانی جی کی نظر جو پڑ گئی بولیں اسے محمودہ آج کیا ہے کہ برابر نگوڑ سے بالوں کو جھٹکے جاتی ہو جو روکھے بال ہیں نوکیں ٹوٹ جائیں گی۔ تب میں نے اُستانی جی سے بیان کیا کہ میں یہ نئی سیر دیکھ رہی ہوں، اس کا سبب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اُستانی جی نے الماری میں سے ایک کتاب نکال مجھ کو رنگوں کا بیان دکھا دیا کہ اس کو پڑھ لو اور جہاں سمجھ میں نہ آئے پوچھ لو۔

حسن آرا۔ کیا بتاؤں میری تو سدھ بدھ یہاں آکر کچھ جانتی سی رہی جو بات سنتی ہوں مجھ کو اچنبھا ہوتا ہے اور اپنے جی ہی جی میں کہتی ہوں کہ میں نے دنیا میں آکر کیا دیکھا ہے اور کیا سیکھا خیر زمین گول ہونا تو ثابت کیجیے وہ بات ہی رہی جاتی ہے۔

محمودہ۔ ہاں خورد بینی سے ہم کو اپنی نظر کا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دو باتیں ہیں اور بھی کہوں گی۔ ایک یہ کہ تم تو اپنے تئیں بڑی جہانیاں جہاں گشت جانتی ہو۔ سلطان جی قطب صاحب میرٹھ پانی پت نہیں معلوم کہاں کہاں کہتی تھیں کہ گئی ہوں۔

حسن آرا۔ ہاں خدا رکھے جہانیاں جہاں گشت تو ہوں تھوڑا ملک میں نے دیکھا ہے باہر میدان میں صاف نظر آتا تھا کہ پھوڑی دور چل کر زمین آسمان کے کنارے سے مل گئی ہے۔ مجھ کو کیا سب کو ایسا ہی دکھائی دیا کہ آسمان سرپوش کی طرح زمین پر ڈھکا ہوا ہے میں تو جانتی ہوں کہ کوئی شہر میرے

دیکھنے سے نہیں چھوٹا۔

محمودہ۔۔ کیوں جھوٹ بولتی ہو بھلا۔ جھجھر اپنی سسرال گئی ہو۔  
حسن آرانے جھجھر کا نام سن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بولیں کہ نگوڑے  
گاڈن نہ جاڑے میں دھوپ نہ گہری میں چھاڈن کا کیا نام لینا تھا۔ نوج میں  
دیاں کیوں جانے لگی۔

محمودہ۔۔ بھلا تم پانی پت میرٹھ کس سواری میں گئی ہو؟  
حسن آرا۔۔ پالکی گاڑی کی ڈاک تھی۔

محمودہ۔۔ راہ میں تم نے ادھر ادھر تو ضرور دیکھا ہوگا۔  
حسن آرا۔۔ دیکھتی تو سہی مگر ذرا کی ذرا پیک تھوکنے کو منہ نکالا تھا۔ دیکھتی کیا  
ہوں کہ سرسبز زمین پاڈن کے تلے نکلی چلی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ کو ایک  
چکر سائے لگا۔ جھٹ میں نے منہ اندر کر لیا۔

## متحرک چیزوں میں آنکھ کا غلطی کرتا

محمودہ۔۔ یاد رکھیے کہ یہ آنکھ کی دوسری غلطی ہے۔ چلے تو گاڑی اور نظر آئے  
کہ زمین چل رہی ہے۔ بھلا دوسری بات اور پوچھوں کہ پھٹے ہوئے بادل  
میں چاند کو بھی بھاگتے ہوئے دیکھا ہے؟  
سینکڑوں دفعہ ہم تو ہمیشہ چاندنی رات میں چند اماموں سے کھیلا کرتے  
ہیں۔

محمودہ۔۔ کیا تم سمجھتی کہ چاند اتنی جلدی بھاگتا ہے؟  
حسن آرا۔۔ اور کیا۔

محمودہ۔۔ بھلا جب بادل نہیں ہوتا تب چاند اس طرح بھاگتا ہوا کیوں نہیں

نظر آتا۔ اگر حقیقت میں چاند چلتا ہو تو کھلی راتوں میں اُس کا چلنا اور بھی صاف دکھائی دیتا۔

حُسن آرا۔ کچھ سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

محمودہ۔ میں بتا دوں کہ یہ بھی آنکھ کی ایک غلطی ہے۔ ہوا بادل کو اڑائے لیے جاتی ہے اور بادل چل رہا ہے۔ ہم کو ایسا نظر آتا ہے گویا چاند بھاگ رہا ہے۔

## زمین کے گول ہونے کی دلیل

حُسن آرا۔ بھلا ان باتوں سے زمین کا گول ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟  
محمودہ۔ ابھی نہیں ذرا صبر کرو ایک بات اور بتاؤ کہ جب تم قطب صاحب گئی تھیں تو لاٹ تم کو کتنی دُور سے نظر آتی شروع ہوئی تھی۔

حُسن آرا۔ اجی پرانی دہلی کے باہر نکلو اور لاٹ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اگر درختوں اور مکانوں کی آڑ نہ ہو تو لاٹ اللہ اکبر اتنی اونچی ہے کہ شاید اس کی چوٹی یہاں سے بھی دکھائی دے تو کچھ اچنبھا نہیں۔  
محمودہ۔ صرف چوٹی۔

حُسن آرا۔ اور کیا ایسا پچا ہتی ہیں۔ کہ گھر بیٹھ ساری لاٹ دیکھ لوں۔  
محمودہ۔ نہ دیکھ لینے کا سبب۔

حُسن آرا۔ سبب یہی دوری اور کیا؟

محمودہ۔ دوری کی وجہ سے لاٹ بلا سے چھوٹی دکھائی دے مگر ساری دکھائی تو ہے اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے صرف چوٹی دکھائی دیتی ہے اس کا نیچے کا دھڑ کہاں غائب ہو جاتا ہے۔

حُسن آرا۔ کچھ کسی چیز درخت وغیرہ کی آڑ پڑتی ہوگی۔

محمودہ۔ آڑ تو پڑتی ہے مگر درخت کی آڑ ہوتی تو درخت تو نظر آتا۔ میں بھی تو قطب صاحب چھوسات مرتبے سے کم نہیں گئی ہمایوں کے مقبرے سے آگے اچھا خاصہ کف دست میدان پڑا ہے اور ناک کی سیدھ عین لاٹ کی جڑ میں ٹرک لگی ہے اور لاٹ پر کیا موقوف ہے یوں ٹرک پر دوڑ کے بہت سے درخت صاف سامنے نظر آتے ہیں۔ جن کے بیچ میں کچھ بھی آڑ نہیں مگر پھر بھی پہلے وہی اوپر کی ٹہنیاں نظر آتی ہیں اور جوں جوں پاس جاؤ رفتہ رفتہ نگاہ نیچے ٹیک پہنچتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا درخت چوٹی سے جڑ تک نظر آنے لگتا ہے۔ حسن آرا محمودہ کا یہ اعتراض سن کر بغلیں جھانکنے لگی۔

محمودہ۔ اس کا سبب میں عرض کروں۔  
حسن آرا۔ فرمائیے۔

محمودہ۔ وہی زمین کی گولائی کی آڑ۔ یہ کہہ کر محمودہ نے حسن آرا کو پانی کے مٹکے کے پاس لے جا گولائی کا آڑ کرنا اور لوگوں کا زمین کے گردا گرد گھوم آنا بخوبی سمجھا دیا۔

حسن آرا۔ زمین کے گول ہونے کی یہی ایک دلیل ہے۔  
محمودہ۔ نہیں اور بہت دلیلیں ہیں لیکن ابھی آپ کو ان کا سمجھنا مشکل ہے مگر جب آپ کی معلومات زیادہ ہو جائے گی تو میں زمین کے گول ہونے کی سب دلیلیں ضرور آپ سے بیان کروں گی۔

حسن آرا۔ اچھا اگر زمین گول ہے تو ہم لوگ اس پر سے پھسل کیوں نہیں پڑتے۔  
محمودہ۔ گول تو ضرور ہے مگر ذرا اس کو بھی سمجھ لیجیے کہ گول چیز جس قدر چھوٹی اسی قدر اس میں گولائی زیادہ۔ مثلاً رائی کا دانہ۔ چنے کا دانہ۔ پیرا آڑو۔ انڈا۔ آب خورہ۔ ٹھیلیا۔ مٹکا۔ گنبد گول تو سب ہیں مگر چھوٹی چیز کی گولائی فوراً



ظاہر ہو جاتی ہے۔ پیر میں سے ناخن برابر چھلکا بھی لو تو گول ہو گا اور بڑے  
 ٹکے میں سے آپ کے ایک باشت برابر ٹھیکرا توڑ لیا جائے تو سپاٹ کھپرا  
 معلوم ہو گا۔ بھلا ایک اچھا گول پیر، انڈے پر رکھنا چاہو تو لاکھ حکمت کر دو  
 ہاتھ ہٹایا اور گرا لیکن ٹکے پر جس جگہ چاہو دس پندرہ پیر رکھ دو۔ جب  
 ٹکے کا یہ حال ہے تو گنبد کا اس سے زیادہ اور زمین تو انی ٹکوں اور گنبدوں  
 کے آگے خدا جانے کے کر ڈر کے لاکھ دفعہ بڑی ہے۔ اور جب کشش زمین  
 ہم کو تھام رہی ہے۔ تو ہم گر جائیں تو کہاں جائیں۔ زمین کی بڑائی کی شکل کرا  
 دینا آسان نہیں ہے۔ مگر یوں سمجھئے کہ یہ ہمارے گھر کی انگنائی آپ دیکھتی  
 ہیں کسی لمبی جوڑی ہے۔

حسن آرا۔ انگنائی ہے کہ شیطان کی آنت ہے۔ کم بخت اس سرے سے اس  
 سرے تک جاؤں تو مانگیں ٹوٹ پڑیں بھلا اتنا میدان کیوں چھوڑ رکھا ہو گا  
 صحن کیا ہے جھکل معلوم ہوتا ہے۔

محمودہ۔ بیچ میں بارہ دری بننے والی ہے۔ اسی کی جگہ چھوڑی ہوئی ہے بھلا خیر  
 اس دالان سے ڈیوڑھی تک کتنا فاصلہ ہو گا؟  
 حسن آرا۔ مجھ کو نہیں معلوم۔

محمودہ۔ اٹکل سے۔

حسن آرا۔ کوئی بیس اور بیس اور بیس اسے ہے خدا جانے کے بیسی گز ہو گا۔

محمودہ۔ پورا پچاس گز ہے۔

حسن آرا۔ پچاس گز کتنے ہوتے ہیں؟

محمودہ۔ بیس اور بیس اور دستل۔

حسن آرا۔ اُور بڑا لمبا صحن ہے۔

محمودہ۔ بھلا کتنے پھیرے آپ صحن کے اس سرے سے اس سرے تک کر سکتی ہیں۔  
 حسن آرا۔ کتنے پھیرے۔ اجی ایک بھی ہو جائے تو بہت ہے۔  
 محمودہ۔ بس اتنا ہی زور ہے۔

حسن آرا۔ ہاں میری ٹانگوں میں تو اتنا ہی بوتاسے کچھ خدانہ کرے میں کہہ ساری  
 تھوڑی ہی ہوں میں تو خاصی امیرزادی ہوں اور امیرزادیاں بس اپنے  
 پاؤں سے اتنا ہی چلا کرتی ہیں۔ جس دن اُستانی جی عین سامنے بیٹھی ہوتی  
 ہیں لحاظ کے مارے چوڑے کے پاس دایہ کی گود سے اتر پڑتی ہوں مگر  
 والان تک پہنچتے پہنچتے دم ہی تو چڑھ جاتا ہے اور کبھی اُستانی جی سامنے  
 نہیں ہوتیں یا سچی آنکھ کیسے ہوئے کسی کو پڑھاتی ہوتی ہیں تو میں دایہ کو  
 بیچ والان اپنی جگہ پر لا کر چھوڑتی ہوں۔

محمودہ۔ اگر پاہنج ہوتا بھی امیری کا ہنر تو شاباش آپ بڑا اچھا کام کرتی ہیں۔ مگر  
 میں انشاء اللہ ایک دم سے سو پھیرے کر جاؤں اور نہ دم چڑھے اور نہ  
 ٹانگیں دکھیں۔

حسن آرا۔ منہ سے یا ٹانگوں سے؟  
 محمودہ۔ اجی انہیں ٹانگوں سے اور آپ کو یقین نہ ہو تو چلیے! اُستانی جی  
 پوچھو ادوں۔

جسمانی ریاضت اور ایام غدر کی ایک حکایت میں  
 اُس کے فائدوں کا بیان

اُستانی جی کا تو باروں میں بیٹے کا معمول ہے کہ کوئی چار گھنٹی رات بسے اٹھیں

تہجد کی نماز پڑھی اس میں کوئی دو گھڑی کا ترنہ کا ہو آیا۔ اس وقت سے برابر اسی صحن میں ٹہلا کرتی ہیں اور منزل پڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ چھپٹا ٹھونے آئے نماز پڑھی معمولی وظیفہ کبھی پڑھ چکتی ہیں کبھی پڑھتی ہوتی ہیں کہ میں جاگتی ہوں پچھلی گرمیوں میں ایک رات یوں ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو آستانی جی ٹہل رہی ہیں۔ میرا جگ اٹھنا جو ان کو معلوم ہو گیا تو کہا محمود وہ اب سویرا ہے۔ مت سوو طبیعت خراب ہو جائے گی۔ آؤ دیکھو تو آخر شب چاندنی میں کیا لطف ہے۔ سارے اس طرح ٹھہرا ہے میں کہ گویا رات بھر کے جاگے ہیں اور اب صبح ہوتے اونگھتے ہیں۔ کسی ٹھنڈی ٹھنڈی سو اچل رہی ہے کہ طبیعت بارغ ہوتی جاتی ہے۔ پھول جو کھلے ہیں تو بھینسی بھینسی خوب آ رہی ہے جانور میٹھی میٹھی آوازوں میں خدا کی حمد گارہے ہیں۔ نور ظہور کی گھڑی اور برکت کا وقت سے پورب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ صبح کا نور کیسا دل کو بھاتا ہے جھٹ پٹ اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ منہ دھو آستانی جی کے ساتھ ٹہلنے لگی۔ میں نے اس دن خوب دھیان لگا کر گنا تھا تو کوئی اسی یا تم یوں سمجھو۔ کہ چار بیسی پھیرے انگنائی میں ہو گئے تھے میں نے آستانی جی سے پوچھا کہ آپ اس قدر سویرے اٹھ کر کیوں ٹہلا کرتی ہیں تو فرمایا کہ دن رات میں اس سے بہتر فرحت کا کوئی وقت نہیں اور ٹھٹھے سے میرا اصلی مطلب یہ ہے کہ انسان کا حفظِ صحت کے لیے تھوڑی بہت بدنی محنت اور جسمانی ریاضت بھی چاہیے۔ تم دیکھتی ہو کہ خدا کے فضل سے میں کمتر بیمار پڑتی ہوں۔ اس کا ظاہری سامان میں تو سہی سمجھتی ہوں کہ ہر روز اتنا ٹہل لیتی ہوں کہ خاصی طرح بدن میں عرق آجاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس عادت کا ایک خاص فائدہ بھی میں دیکھ چکی ہوں۔ غدر میں جب سارا شہر بھاگ نکلا تھا ہم اس امید پر

پڑے رہ گئے تھے کہ اباجان جس رئیس کے نوکر ہیں۔ وہ سرکار کا بڑا خیر خواہ تھا۔ خود اس کے اپنے بیٹے اور پوتے سرکاری فوج کے ساتھ لڑائی پر تھے۔ رئیس کی معرفت اباجان نے سرکار سے یہ اقرار کرایا تھا کہ جب دہلی فتح ہو تو سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہم لوگوں کو نہ ستائے جب شہر میں بھاگتے مچھلی محلے والوں نے بہتر اہم لوگوں سے کہا کہ شہر میں رہ کر کیوں مُفت میں جان گنواتے ہو مگر ہم لوگ اس وعدے کے آسرے پر گھر سے نہ نکلے لوگوں سے تو ڈر کے مارے یہ حال ظاہر نہ کیا مگر جی ہی میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کس دن دہلی فتح ہو اور ہم لوگ آرام سے بیٹھیں خدا کا کرنا جس دن دہلی پر پہلا دھاوا ہوا اسے ہے، خدا دشمن کو بھی وہ دن نہ دکھاوے ایک قیامت برپا تھی۔ دن بھر گولیوں کا مینہ برستا رہا اور گولے خدا کی پناہ کان بہرے ہو ہو جاتے تھے۔ زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ شام ہونے آئی تو نہر کے پرلے پار تک انگریز آگئے تھے اور عین سہاوی اس دیوار کے نیچے گلی کے نکر پر موئے تلنگوں نے نوپ لگا رکھی تھی۔ کس کو اُمید تھی کہ زندوں کو صبح ہوگی۔ جان سے ہاتھ دھو کر نہ خانوں میں چپ بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے کس کا کھانا اور کس کا پکانا ایک ایک کا منہ ٹمکتا تھا۔ کوئی پیر رات گئے کسی مرد سے کی آواز آئی۔ اباجان کا نام لے لے کر پکارتا تھا۔ ڈر کے مارے جواب کون دے۔ آخر میں نے بھائی جان سے کہا خدا کے لیے انگنائی میں نکل کر خبر تو لو کون وقت ہوا۔ یہ آدمی برا بھلا رہا ہے۔ شاید سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہو اور سہاوی حفاظت کے لیے آیا ہو۔ غرض بھائی جان باہر نکلے اور کوٹھے پر چڑھ کر آواز کی اسٹ لی اس وقت لڑائی بھی بند تھی وہ مرد واسٹرک میں تھا۔ بھائی جان نے اس کو کوٹھے کے نیچے بلایا اور حال پوچھا اس نے کہا کہ مجھ کو کپتان صاحب نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم نے ہر چند چاہا کہ آپ کے مکان کی حفاظت ہو مگر کوئی

تدبیر بن نہیں پڑتی۔ باغیوں نے شہر خالی نہیں کیا نہر کے ادھر وہ لوگ ہیں اور نہر تک بارہی عملداری ہے۔ رات کے دو بجے ہم لوگ باغیوں پر حملہ کریں گے۔ آپ کا مکان میں زور میں ہے۔ حملے کے وقت سے پہلے پہلے تم لوگ اپنی جانیں لے کر نکل جاؤ جب سلطنت بیٹھے گی دیکھا جائے گا۔ اس خبر کے سنتے ہی سب کو سناٹا ہو گیا۔ کسی نے کہا جہاں پڑے ہو پڑے رہو۔ آخریوں بھی مرنا دوں بھی مرنا بے فائدہ عورتوں کو بازار میں لیے لیے پھرنا کیا حاصل۔ ایک آدمی اتنی باتیں کہنے لگے کہ آدمیوں پر ہم ہی ہاتھ صاف کریں۔ پھر جیسا ہو گا دیکھا جائے گا۔

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس گفت و شنید میں آدھی رات گزری۔ بھائی جان نے دیکھا کہ وقت نکلا جاتا ہے اور لڑائی شروع ہونے میں کچھ دیر نہیں تب تو وہ ذرا کڑے ہو کر بولے کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں اور نرسے تا مردی کے خیالات ہیں۔ جان کا بچانا فرض ہے جہاں تک ہو سکے بھاگنا چاہیے اور یوں فضا کا تو کچھ علاج نہیں یہ کہہ کر مجھ سے کہا اٹھ لڑ کی تو تو چل یہ لوگ جانیں اور ان کا کام جانتے ہیں پہلے ہی سے بھاگنا بھاگنا کر رہی تھی چلنے کا نام سنتے ہی میں نے اپنا تمام زور اپنے ہاتھوں نکال انگٹائی میں پھینکا اور والان کی چاندنی میں سے دو پاٹ پھاڑ دوپٹہ بنا یا اور کہا کہ لو صاحب میں تو چلی۔ میرا چلنا تھا کہ سارا کنبہ پیچھے ہو لیا۔ اس رات تم ہو تیں تو ان کم بخت عورتوں کی سیر دیکھتیں۔ ایک صاحبہ ہیں کہ تمام دھن دولت نوکھر چھوڑا پان کھانے کی پیاری لادے لیے چلی جاتی ہیں۔ کسی کی جوتی پاؤں میں سے نکل نکل کر پڑتی تھی۔ کسی کا ازار بند پاؤں میں الجھتا ہے۔ اس دن جتنے کچے بڑے پائے تھے اسی کو چلنے کی بڑی مصیبت تھی۔ بھائی جان اس وقت بھی چھیر تھے کہ کم بخت اور زمین سکھ کے تھان کے دو پاٹ بچاے بناؤ۔ لاہور کے ریشمی ازار بندوں میں پیٹیاں لگا لگا کر اور بڑا کر وہ ریشمی کی منہ مصیبت کی مصیبت۔ ان بیچاروں کو

بازاروں میں چلنے کا کام ہے کو اتفاق ہوا تھا گورنر تھی اور یوں بھی راستہ نہیں چلتا تھا۔ مگر من من بھر کے پاؤں تھے دو قدم چلیں اور گویں خدا خدا کر کے صبح ہوتے ہوتے کاغذی محلے تک پہنچے یہاں کیا ٹھکانا تھا۔ انگریز کہتے تھے کہ قلعہ لیس تو آج لے لیں جیوں سی پی جکیوں کے برابر آئے دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں گورنر اور سکھ قطار باندھے چلے آتے ہیں دیکھتے کے ساتھ دم ہی تو فنا ہو گیا۔ مٹھائی کے پل کی طرف پھر بھاگے بیچاری عورتوں کا بُرا حال تھا۔ ایک بیوی تو سڑک پر لیٹ گئیں کہ مجھ سے تو آگے نہیں چلا جاتا۔ خدا کے لیے مجھ کو یہیں رہنے دو۔ تھوڑی دُور میں نے ان کو چڑھی چڑھایا اتنے میں دو تین اور گریں اب کس کو کون کندھے چڑھائے اپنی یہی جان بھاری تھی بھائی جان نے کہا کہ لوگو خدا کے لیے دل مضبوط کر کے ذرا پھول کی منڈی تک تو چلو وہاں ممکن ہوگا تو کچھ سواری کا بندوبست کیا جائیگا ہزار دقت کوئی پردن چڑھے تک پھول کی منڈی پہنچے سواری یہاں کیا رکھی تھی۔ باہر سے گدھوں پر نارج آیا تھا۔ گدھے والا اپنے گدھے باہر لیے جاتا تھا۔ بھائی جان نے اُسے بہت گڑ گڑا کر کہا بھائی میاں ذرا شہر کے دروازے تک ان عورتوں کو بٹھا لو اور جو کہو سو دیں گے۔

گدھے والا۔ اجی میاں جی! کیسا یہ دیکھتے ہو انگریز قلعہ میں پہنچ گئے ہیں کم بختی کا مارا رات کو نہ جا سکا اب دیکھئے کیسا بچتا ہوں گدھے لو اور جس قدر چاہو لے لو اور ہانک لاؤ مجھ کو دروازے کے باہر گدھے حوالے کر دینا غرضیکہ چار گدھے بھائی جان نے روک لیے اور کہا کہ لو صاحب جو تھک گیا سو اس پر بیٹھ لے اور دیر کرنا غضب سے پہلے تو گدھے کی سواری کا نام سن کر سب نے تامل کیا مگر کرتیں کیا مجبور گدھوں پر سوار ہونا پڑا۔ مجھ سے بھائی جان نے کہا۔ لڑکی تو بہت تھک گئی ہے۔ بیٹھ لے مصیبت کو کیا کریں



میں نے کہا میں ابھی مطلق نہیں تھکی اور ایسے ایسے دس دسے پا پادہ  
چل سکتی ہوں۔

بھائی جان۔ آخر چڑھنا پڑے گا۔ تم جانتی ہو کہ شاید شہر میں چل کر ٹھہریں گے ہرگز  
نہیں عرب کی سرائے سے ادھر کہیں ٹھکانا نہیں میں نے کہا انشاء اللہ میں  
سرائے تک بخوبی چلی جاؤں گی۔ فرض مجھ کو تو خدا نے اس خصیعت سے بچا  
لیا اور یویاں چڑھی پر چڑھیں۔ آج تک ان کی منسی ہوتی ہے اور میں خدا  
کے فضل سے اسی چل قدمی کی بدولت برابر چلی گئی نہ تھکی نہ ماندی ہوئی۔  
حسن آرا۔ اجی خدر بھی ایک آفتِ ناگہانی تھی۔ سو بیت گئی کہیں خدا نخواستہ ہر روز  
خدر ہو رہا ہے۔ کم بخت عورتیں اس کے واسطے دوڑنے کی عادت اور  
بھاگنے کی عادت کریں۔

محمودہ۔ بات میں بات میں نے بیان کی میرا بھی یہ مطلب نہیں کہ عورتیں گھروں میں  
گھوڑ دوڑ کیا کریں مگر اتنی آنکسی بھی ٹھیک نہیں کہ ڈیوڑھی تک جائیں تو  
بانپنے لگیں کوٹھے پر چڑھیں تو سانس پیٹ میں نہ سمائے اٹھنے بیٹھنے اور  
چلنے پھرنے میں تو پھرتی رکھنی چاہیے۔

حسن آرا۔ خیر اب وہ زمین کا گول ہوتا تو ثابت کیجیے۔ کیا آپ اس بات کو ماننا  
جاہتی ہیں؟

محمودہ۔ ہاں تو یہ انگنائی پچاس گز لمبی ہے۔ اس سرے اس سرے تک پنتیس یعنی  
پانچ کم دو بیسی پھیرنے کو تو ایک میل ہو اور دو میل کا ایک کوس ہوتا ہے۔  
حسن آرا۔ اُف اتنا بڑا میل اور اتنا بڑا کوس ہوتا ہے۔

محمودہ۔ اب قطب صاحب کی لاٹ کو فرمائیے کہ کے ہزارہ کوس لمبی ہے۔  
حسن آرا۔ میں تو جانتی ہوں کہ اس حساب سے پوری میل بھر بھی لمبی نہ ہوگی۔

محمودہ بے شک میل کیسا میل کا دسواں حصہ بھی نہیں۔

## زمین کی جسامت اور مہیات اور تقسیم

اور زمین بتاؤں میلوں کے حساب کتنی بڑی ہے۔ چوبیس ہزار میل اس کا دور سے مردوں میں بارہ کوس کی منزل مقرر ہے یعنی مرد لوگ جو سفر کرتے ہیں تو بارہ کوس روز چلے جاتے ہیں اور واقع میں آرام کے ساتھ سفر کیا جائے تو بارہ کوس دن بھر کے چلنے کو بہت ہے اس حساب سے اگر کوئی آدمی ناک کی سیدھ چلنا شروع کرے تو پانچ برس میں جہاں سے چلا تھا۔ وہیں آکھڑا ہوگا اور اس کا صرف ایک پھیرا پورا ہوگا۔

حسن آرا۔ اللہ اکبر اب جو نہیں خیال کرتی ہوں تو زمین ہی بڑی ہے۔ بھلا تم نے کیوں کر جانا کہ چوبیس ہزار کا دور ہے۔

محمودہ۔ کتابوں سے جانا بہت والے لوگوں نے محنت اٹھا کر برسوں سفر کیا اور تمام دور ناپ والا خشکی کی راہ تو سیدھا چلنا مشکل ہے کہیں بڑے بڑے دو دو تین تین کوس کے اونچے پہیوں کی چڑھائی کے دشوار گزار پہاڑ ہیں کہیں سینکڑوں کوس کے جنگل ہیں۔ جن میں نہ کہیں ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے نہ پانی کا آسرا نہ راہ نہ سڑک، مگر سمندر سمندر جہازوں پر لوگوں نے سفر کیا ہے اور قطب نما کے سہارے سے سیدھ لگائے چلے گئے اور آخر کو وہیں آ موجود ہوئے جہاں سے چلے گئے کیا اب بھی زمین کے گول ہونے میں کوئی شک و شبہ ہے۔ حسن آرا۔ دو دو تین کوس اونچے پہیوں کی چڑھائی کے پہاڑ ہیں تو زمین گول کہاں رہی۔

محمودہ۔ ہاں زمین ایسی گول نہیں ہے۔ جیسی ڈھلی ہوئی گولی ہوتی ہے۔ ٹھیک

نارنگی کی طرح گول ہے۔ اتر دکھن دونوں سرے پچکے ہوئے اور جیسے نارنگی کے پھلکے پر پھنسیاں پھنسیاں ابھری ہوئی ہیں اسی طرح زمین پر یہ پہاڑ ہیں جو شخص پہاڑوں پر دیکھ کر زمین کے گول ہونے میں شک کرے اس کو زمین کی بڑائی کا ٹھیک تصور نہیں ایک ٹکے پر ایک رات کا دانہ رکھ دو تو اس کی گولائی میں کیا فرق آجائے گا۔

حسن آرا۔ زمین کو تو میں پہلے سے بڑی جانتی ہوں۔ مگر ٹھیک اندازہ معلوم نہ تھا۔ محمودہ۔ تم خاک بھی بڑی نہیں جانتی تھیں۔ ایک میرٹھ اور پانی پت آپ کیا گئیں کہ آپ نے سمجھا تمام روئے زمین کی سیر کر لی۔

حسن آرا۔ زمین اتنی بڑی ہے تو ہزاروں لاکھوں شہر اس پر بسے ہوں گے۔ محمودہ۔ بے شک مگر اس سے یہ مت سمجھو کہ تمام روئے زمین پر آبادی ہے تین حصے تو سمندر ہے ایک حصہ جو کھلا ہے۔ اسی میں کل نوے کروڑ آدمی بھی جا بجا بسے ہیں۔ اور جنگل پہاڑ دریا بھی ہیں۔

## مدن کی وجہ

حسن آرا۔ سب لوگ مل کر ایک جگہ کیوں نہیں رہتے۔ ایک بڑا شہر بسالیں اور سب اسی میں رہیں تو بڑا مزہ ہو۔

محمودہ۔ مزہ کیا خاک ہو سب بھوکے مرنے لگیں۔ حسن آرا۔ کیوں؟

محمودہ۔ کھانے کا تاج میدان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سبب سے لوگ دنیا میں الگ الگ بسے ہیں۔ ہر ایک بستی کے آس پاس کچھ میدان جوتنے اور ہونے اور تاج پیدا کرنے کے واسطے لگا رکھتے ہیں سب ایک جگہ بسیں تو

ہزاروں کوس کا لمبا چوڑا شہر سو جائے جوتنے بونے کہاں جائیں مگر آدمی کی ضروریات بہم نہیں پہنچا سکتا۔ اس واسطے ہمیشہ تھوڑے تھوڑے بہت بہت آدمی مل کر رہتے ہیں جہاں تھوڑے آدمی بسے ہوں وہ گاؤں ہے۔ اس سے بڑھ کر قصبہ اُس سے بڑھ کر شہر اُس سے بڑھ کر ملک اور ولایت۔ بعضے گاؤں چار چار پانچ پانچ گھر کے بھی ہوتے ہیں اور بڑے شہروں میں تو لاکھوں آدمی ہوتے ہیں۔

حُسن آرا۔ جہاں صرف چار چار پانچ پانچ گھر ہیں لوگ کیوں کر گزر کرتے ہوں گے۔ محمودہ۔ ہم سب سے بہتر طور پر گزر کرتے ہیں۔ حُسن آرا۔ کیا خاک گزر کرتے ہوئے نہ حلوائی، عطار نہ گندھی نہ منھیار نہ بزانہ نہ کوئی نہ کوئی۔

محمودہ۔ یہ چیزیں امیرانہ زندگی کے لایعنی تکلفات اور شیخی اور نمود اور ڈینگ کے بیہودہ سامان ہیں ان کو داخل ضروریات زندگی کون کہتا ہے۔ خوب غور کر دیکھا۔ پیٹ بھر لینے کو دال دلیا کچھ غذا چاہیے اور تن بدن ڈھک لینے کو موٹا جھوٹا کپڑا بس اتنا ضرور ہے اور اس کے علاوہ سب انسان کی خوردنی اور تن پروری اور آرام طلبی کے ڈھکوسلے ہیں سو جو چیزیں حقیقت میں ضروری ہیں گاؤں والے اپنے ہاتھوں پیدا کر لیتے ہیں۔ کھانے کا غلہ اور میوے اور ترکاریاں، روٹی، تمباکو، کسم نیل سمجھی کچھ تو کھیتوں میں ہوتا ہے بلکہ کھانے پینے کی چیزیں جیسی عمدہ اور صاف گاؤں والوں کو میسر آتی ہیں ہم شہر والے خواب میں بھی نہیں دیکھتے۔

حُسن آرا۔ بھلا اگر گاؤں میں آدمی بیمار پڑے تو وہ کہاں سے لے علاج کس سے کرائے۔

محمودہ۔ گاؤں والے خدا کے فضل سے دوا اور علاج کے محتاج ہی نہیں ہوتے۔  
 حُسن آرا۔ اس کا سبب؟  
 محمودہ۔ سبب صفائی آب و ہوا کی عمدگی اور روز کی محنت۔

## آب و ہوائے شہر دیہات کا مقابلہ

حُسن آرا۔ آب و ہوا تو ساری دنیا میں ایک ہی ہوگی۔  
 محمودہ۔ ایک تو ہے مگر جہاں آدمی بکثرت رہتے ہیں وہاں غلاظت بہت جمع ہوتی ہے اور عفونت کی وجہ سے آب و ہوا بگڑ جاتی ہے۔ آئے دن وبا آتی رہتی ہے اور وہاں نہیں بھی ہوتی تو بھی شہر کے لوگ اکثر بیمار رہتے ہیں۔  
 حُسن آرا۔ گاؤں والے بیمار نہیں ہوتے تو مرتے کیوں کہہ ہیں۔  
 محمودہ۔ مرنا اور بات ہے گاؤں والے زندگی کا لطف تو پاتے ہیں۔ نہ کہ شہر والوں کی طرح دائم المریض اور یوں کبھی کبھار دکھ درد ہوتا ہے تو گاؤں والے سببے کا علاج بھی کر لیتے ہیں۔ جھل کی بوٹی درختوں کی چھال اور پتے گھسے رگڑے پی گئے اچھے ہو گئے۔ یہ نہیں کہ ہفتوں منضجیں پیا کریں۔  
 مہینوں مارالچین میں پڑے گھلتے رہیں۔ لاکھ دوا کی ایک دوا تو تازی ہوا ہے جو شہر والوں کو عمر بھر نصیب نہیں ہوتی اور گاؤں والوں کو ہر وقت میسر ہے۔

حُسن آرا۔ سب کچھ تو ہے مگر گاؤں میں جی کیسا گھبرانا ہوگا۔ نہ محلہ نہ ہمسایہ کس سے

بات کیجیے کس کے پاس جائیے۔

محمودہ۔ شہر میں روز کے روز کون کس کے پاس جاتا ہے۔ جس طرح شہر والے گھر کے کام کاج میں لگے رہتے ہیں۔ گاؤں والوں کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی خیر گیری کا مشغلہ کیا کم ہے اس سے فرصت ہوتی تو وہ لوگ بھی گھروں میں کام سے آتے اور آپس میں جی بہلاتے ہیں۔

حسن آرا۔ یہ گاؤں والے نرے اچھے اور اکھڑ اور بے سلیقہ کیوں ہوتے ہیں؟ محمودہ۔ بوا خیر النساء دیکھو حسن آرا بیگم گاؤں والوں کو اچھے اور اکھڑ اور بے سلیقہ

کہتی ہیں تم بھی گاؤں والی ہو۔ جواب دو۔

خیر النساء۔ بیگم صاحب کو گاؤں والوں کا حال معلوم نہیں سنے سنائے برا کہہ اٹھیں اس کا جواب کیا دوں۔

حسن آرا۔ خیر النساء تم کہاں کی رہنے والی ہو۔

خیر النساء۔ مراد آباد کے ضلع میں شریف پور نام ایک گاؤں ہے۔ وہیں میرا غریب خانہ ہے۔

حسن آرا۔ شہر میں کب سے ہو؟

خیر النساء۔ کوئی ڈیڑھ برس سے۔

حسن آرا۔ تمہارے گھر میں کام کیا ہوتا ہے؟

خیر النساء۔ کوٹنا، پیٹنا، پکانا، ریندھنا، کاتنا، سینا، پردنا، گھر کی جھاڑو بہاڑو

بال بچوں کا نہلانا دھلانا۔

حسن آرا۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے گھر کے مرد کیا کرتے

ہیں؟

خیر النساء۔ جو لڑکے ہیں پڑھتے ہیں جو جوان ہیں کمائی کرتے ہیں جو بڑھے ہیں گھر

کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں اور نماز روزے میں مصروف رہتے ہیں۔  
 حُسن آرا۔ اسے ہے میں پوچھتی ہوں۔ تمہارے گھر کیا ہوتا ہے؟  
 خیر النساء۔ دن کو دن رات کو رات۔

حُسن آرا۔ پتھر پڑیں ایسی موٹی سمجھ پر کوئی جواب معقول نہیں۔  
 خیر النساء۔ آگ لگے ایسی بھونڈی تقریر کو کوئی بات ٹھکانے کی نہیں۔  
 حُسن آرا۔ ٹگوڑی گنوار سی شامت کی مارے کوئی تیری محم بختی آئی ہے بے تمیز  
 زبان سنبھال کر نہیں بولتی ابھی مارتے مارتے کچلا کر ڈالوں گی۔

خیر النساء۔ چل چل شہری بے بہری امیر بیگم ہوگی تو اپنے واسطے ہم کو کیا خدا نہ  
 کرے کسی کی لونڈی باندی ہیں ایک کہے گی تو دس سنے گی اور مارے گی تو  
 مار کھائے گی بھی لو صاحب مجھ کو بھی شہر کی لڑکی بنایا ہے کہ دھمکانے لگی۔

حُسن آرا نے عمر بھر کبھی جواب نہ پایا تھا خیر النساء کی بات سنتے ہی۔

بے اختیار ہو گئی مارتا اور کچلا کر نا تو نری دھمکی تھی سیدھی اٹھ اُستانی جی سے

جا فریاد کی اور رونے لگی اتنا روئی کہ گھگی بندھ گئی جب تک روتی رہی اُستانی جا

چپ بیٹھی رہیں اور اگر کہیں دل جوئی کی ایک بات بھی ان کے منہ سے نکلتی

تو حُسن آرا بند ہی شام تک بھی نہ سنبھلتی آخر کو سسکیاں لے لے خود

بخود تقم گئی اس درمیان میں محمودہ چند بار آئی اور قصداً حُسن آرا کے پاس

ہو کر نکلتی مگر حُسن آرا نے منہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر محمودہ کو حیرات نہ ہوئی۔

کہ حُسن آرا سے بات کرے در نہ وہ رفع ملال کر بھی دیتی اب شام قریب

تھی۔ اُستانی جی نے کہا لڑکیو وہ مسیح الملک کی کہانی کن مدتوں کی نا تمام

پڑی ہے۔ آج اسی کو ختم کر لیتیں۔ کس کی باری ہے؟

محمودہ۔ خیر النساء کی باری ہے۔



اُستانی جی۔ کیوں بوا حسن آرا۔ خیر النساء کہانی کہیں تم سنو گی۔  
حسن آرا۔ آنکھیں نیچی کر کے مسکرانے لگی اور بولی کیوں سنتے کو کیا ہوا یہی نہ کہ میں  
بیچ میں نہ بولوں گی۔

محمودہ۔ کیوں نہ بولو گی۔ جب بیچ میں بات ہی ہوئی تو کہانی کیا وہ تو خاصہ سبق  
ہو گیا مزہ کیا خاک ملا۔ شوق سے بولو بات کرو۔

حسن آرا۔ واہ آپ بھی بڑی حضرت ہیں۔ اب پھر لڑائی دیکھنے کو جی چاہا ہو گا۔  
محمودہ۔ ایسی بھی کوئی تم بخت ہو گی جس کو دو آدمیوں کی لڑائی میں مزہ ملتا ہو گا۔  
آدمی آدمی جانوروں کو لڑانا بھی بڑا گناہ لکھا ہے۔

حسن آرا۔ آپ کیوں مگرتی ہو تمہیں نے خیر النساء کو مجھ سے بھڑایا۔  
محمودہ۔ میں نے بھڑایا یا گفتگو کی تقریب نے آپ شروع سے دیہاتیوں کی مذمت  
پر آمادہ تھیں۔ لمحہ دو لمحہ بھی ضبط نہ ہو سکا لڑ پڑیں۔

حسن آرا۔ میں لڑی۔

محمودہ۔ آپ تو منصف مزاج ہیں آپ ہی فرمائیے سخت کلامی پہلے کس نے شروع کی؟  
حسن آرا۔ جو جیسا ہوتا ہے کہنے میں آتا ہے۔ دیہاتیوں کو کیا میں اکیلی اجڈ  
اور اکھڑ اور بد سلیقہ کہتی ہوں شہر بھر کہتا ہے۔ خیر النساء کس کس کا منہ

بند کرتی پھریں گی؟

خیر النساء۔ آپ اپنی تعریف کرنے سے کوئی اچھا نہیں بن جاتا اور بُرا کہنے سے  
کوئی بُرا نہیں ہو جاتا۔ شہر والے دیہاتیوں کو اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ

کہتے ہیں۔ دیہات والے شہریوں کو ابدی نکمے، کم بخت، پست ہمت

ظاہر پست جانتے ہیں۔

اُستانی جی۔ جب تم دونوں اس امر میں بحث کرتی تھیں تو اس کے معنی اچھے۔

کہ شہریوں اور دیہاتیوں کی لڑائی کا فیصلہ کرتی تھیں۔ پس دوسروں کی لڑائی کا فیصلہ کرتے کرتے آپس میں کیوں لڑنے لگیں۔

خیر النساء۔ جناب بیگم صاحب نے پہلے چھوٹے ہی دیہاتیوں کو اچھا کھڑے سلیقہ کہا۔ مجھ کو بُرا تو بہت لگا۔ مگر میں چپ ہو رہی۔

استانی جی۔ حسن آرا بیگم نے تم کو اچھا کھڑے سلیقہ نہیں کہا ان کا یہ مطلب تھا کہ شہر والے دیہاتیوں کو ایسا سمجھتے ہیں۔

خیر النساء۔ کیا ہوا پھر بھی ایسے کر یہ الفاظ بیگم صاحب کو زیبا نہ تھے۔ اور میں اس بات پر کچھ بولی بھی نہیں۔

استانی جی۔ کیا اس سے زیادہ کوئی اور سخت بات حسن آرا بیگم نے خاص تم کو کہی تھی۔ ان کی ایسی عادت تو معلوم نہیں ہوتی۔

خیر النساء۔ خیر اب اس کا اعادہ آپ کے رد کر کے کرتے مجھ کو شرم آتی ہے میرا ہی قصور تھا۔ آخر میں بے تمیز گنوا رہی تو ہوں ادب اور سلیقہ آئے تو کہاں سے آئے۔ اس میں شک نہیں کہ جواب میں نے بھی سخت دیا تیجھے میرا دل بہت کڑھا۔

استانی جی۔ اگر تمہارا قصور تھا۔ تو تم نے معذرت کیوں نہ کی ہے۔ خیر النساء۔ میں سو مرتبہ معذرت کرنے کو موجود ہوں ہاتھ جوڑنے اور پاؤں

میں بھی مجھ کو عذر نہیں۔ مگر ذرا اتنا بیگم صاحب کو بھی سمجھا دیکھیے کہ بات بات پر لڑکیوں سے نہ اُلجھا کریں۔ ان کی شان کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں۔

حسن آرا۔ تم یہ چاہو کہ میں سب کے برابر ہو کر رہوں تو یہ بات مجھ سے ہوئی اور نہ ہوگی۔ تم لوگوں کو بھی تو کچھ خیال کرنا چاہیے۔ کہ میں امیرزادی ہوں اور مجھ کو خدانے بڑا کیا ہے۔

استانی جی۔ یہ بات تمہاری غیر واجب ہے۔ مکتب کی لڑکیاں کچھ تمہاری لوندیاں

رہیں۔ نوکر ہیں یا تم اپنی دولت ان کو بانٹ دیتی ہو۔  
حسن آرا۔ نوکر نہ سہی غریب تو ہیں۔

استانی جی غریب ہیں تو ہوتے دو۔ انہیں تمہاری دولت کی کچھ پرواہ نہیں۔  
حسن آرا۔ ہم کب ان کی پرواہ کرتے ہیں۔

استانی جی۔ چلو نہ تم ان کی پرواہ نہ ان کو تمہاری پرواہ برابر۔  
حسن آرا۔ کیا ہوا پھر بھی ان کو میری تعظیم کوئی لازم ہے۔

استانی جی۔ بے ضرورت بے غرض کیوں لازم ہے اور نہ کریں تو ان کا کیا نقصان ہے؟  
حسن آرا۔ اے ہے لازم نہیں مناسب ہے اور نقصان آپس کا رنج۔  
استانی جی۔ اس اعتبار سے تم پر بھی لازم ہے۔

حسن آرا۔ کیا؟

استانی جی۔ ان کی تعظیم حسن آرا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس کے ساتھ سب  
ہنستے۔ سنو یو احسن آرا بیگم ہم عمری میں تعظیم و تکریم کا کیا مذکور۔ تم سب کو  
آپس میں محبت رکھنی چاہیے اور ہر ایک لڑکی کو اس کا اہتمام رہے کہ آپس  
میں بگاڑ کی کوئی بات نہ ہو۔

حسن آرا۔ کیا خدانہ کرے مجھ سے خیر النساء سے کچھ بگاڑ ہے بہنیں بہنیں آپس میں  
لڑیں لوگوں نے جانا ہیر پڑے۔ یہ کہہ کر حسن آرا خیر النساء کے گلے سے جا پکڑا۔

اہل شہر اور دیہاتیوں کا محاکمہ جس میں دونوں کی طرز  
زندگی کا تذکرہ ہے اور ہر ایک کو اس کے عیب  
پر متنبہ کر دیا ہے اور گفتگو اور وضع اور حالت  
اور ذات اور منہ پر بحث کر کے  
نصیحت کی بہت سی باتیں

نکالی ہیں!

اُستانی جی۔ بھلا تم لوگوں میں سکرار کس بات پر ہوئی تھی؟  
حسن آرا۔ بات تو اتنی ہی تھی کہ میں نے خیر النساء سے پوچھا تمہارے گھر میں کیا  
ہے۔ یہ بیوی صاحب لگیں عورتوں کے کام گنوانے میں نے دوہرا کر پوچھا  
تو مردوں کا قصہ نکال بیٹھیں۔ تیسری بار پوچھا کرتی کیا، تو ذرا آپ بھی  
دیکھیے کہتی کیا ہیں دن کو دن اور رات کو رات۔ اُستانی جی سن کر مسکرانے  
لگیں۔ اور کہا سنو بوا خاصہ جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ تم کو یوں پوچھنا تھا۔  
کہ وجہ معاش کیا ہے۔ یا تمہارے بھائی کیلے کبھی کرتے ہیں؟  
خیر النساء۔ ان کا مطلب میں سمجھ گئی تھی مگر ان کو اپنی گفتگو بڑا ناز ہے۔ ان

کے قائل کرنے کو میں بھی بات پر اڑ بیٹھی تھی۔

حسن آرا۔ خیراب فرمائیے کہ آپ کی وجہ معاش کیا ہے؟  
خیر النساء۔ زمینداری اور کھیتی اور غدر کے بعد دو چار آدمی نوکری بھی کرنے لگے۔

حسن آرا۔ بھلا سچ کہنا تم کو شہر میں رہنا بھلا معلوم ہوتا ہے یا گاؤں میں۔  
خیر النساء۔ سچ تو یہ ہے کہ شہر میں میراجی خوب نہیں لگتا۔ اگر اس مکتب کا سہارا نہ ہوتا تو مجھ سے شہر میں ایک دن بھی نہ ٹھہرا جاتا۔

حسن آرا۔ آخر تم کو شہر میں تکلیف کس بات کی ہے۔ کیا کھیلنے اور بات کرنے کو محلے میں لڑکیاں نہیں ہیں؟

خیر النساء۔ لڑکیاں تو اتنی ہیں کہ شاید شہر بھر میں اتنی لڑکیاں نہ ہوں گی جتنی اکیلی شاہ نارا کی گلی میں ہیں صبح سے شام تک ایک تانتا لگا رہتا ہے یہ آئی وہ آئی۔

حسن آرا۔ پھر تو گھیرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

خیر النساء۔ ان لڑکیوں سے میری طبیعت میل نہیں کھاتی۔ شہر کے لوگوں میں ظاہر واری اور منہ دیکھے کی محبت بہت ہے مگر کام پڑنے پر طوطے کی طرح آنکھیں بدل ہی تو جاتی ہیں گویا کبھی کی جان پہچانی ہی نہ تھی بادشاہ بیگم کو تو

تم بھی خوب جانتی ہو گی ہمارے مکان سے ان کا مکان ملا ہے وزیر بیگم ان کی چھوٹی بیٹی نے مجھ سے ایسا پیارا خلاص بڑھایا کہ رات دن میں ایک دم کو الگ نہ ہوتیں خانم کے بازار میں داروغہ صاحب السلطان کے گھر شاہی

تھی ہم لوگوں کو بھی بلاوا آیا اور بادشاہ بیگم تو داروغہ جی کی سگی بھوپھی کی بیٹی بہن ہیں ان کا تو گھر بھر ہفتوں پہلے سے مہمان تھا۔ وزیر بیگم جب جانے لگیں تو زبردستی مجھ کو ساتھ لے جاتی تھیں۔ پاکی پر سوار ہوتے

ہوتے ہاتھ پکڑ لیا کہ میرے ساتھ چلو مگر بڑی مشکل سے میں نے ان کو سمجھایا کہ ہم لوگوں سے اور دار و قہجی سے دور کا واسطہ سے بن بلائے جانا مناسب نہیں جب شادی کے تیس دن رہے تو میں بھی گئی وزیر بیگم اپنی سہیلیوں کو لیے بیٹھی تھیں مجھے اترتے انہوں نے دیکھا بھی مگر جگہ سے ہلی تک نہیں۔ میں نے سمجھا کہ کھیل میں دھیان سے نہ خیال ہو گا۔ اترتے کے ساتھ میں گھر والوں کے پاس تک نہیں گئی۔ سیدھی وزیر بیگم کی طرف چلی گھر والوں پاس کھڑی رہی اس خدا کی بندی نے آنکھ اٹھا کر بھی تو نہ دیکھا اپنا سامنہ لے کر میں سامنے کے والوں میں جہاں ہمارے ساتھ کے لوگ ٹھہرتے تھے جا بیٹھی چھوٹی اپنے مجھ کو چھپرا بھی کہ اترتے کے ساتھ تیر کی طرح گئیں تو تھیں آئی پھٹے منہ اس سے بات بھی نہ پوچھی یہ سن کر اس قدر مجھ کو شرمندگی ہوئی کہ پینے پینے ہو گئی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ یہ وہی وزیر بیگم ہیں کیا ان کو ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد مجھ کو سیاسی معلوم ہوئی شرمندگی میں ایک کوری صراحی رکھی تھی۔ میں نے جانا کہ گھر والوں نے مہمانوں کے واسطے رکھوا دی ہے۔ میں نے جلدی سے اٹھا اس میں سے پانی پی لیا تو وزیر بیگم لال پیلی ہو گئی کہتی ہیں کیوں تو نے ہمارے پینے کی صراحی سے بے پوچھے پانی پیا یہ کہہ کر صراحی کو فرس پوٹا دیا تمام مہمان دیکھنے لگے اور بھرے مجمع میں مجھ کو فضیحت کیا۔

استانی جی۔ وزیر بیگم کے ناحق ناحق بگڑ بیٹھنے کا سبب بھی کچھ نہ تھے دریافت کیا۔  
 خیر النساء۔ بہتر اسوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کوئی بات ہو تو سمجھ میں آئے۔  
 محمودہ۔ میں اس کا سبب بتاؤں۔ میں بھی وزیر بیگم کے مزاج سے خوب واقف ہوں اسی کو محلے میں اپنے میل کی لڑکیاں کھیلنے اور بات کرنے کو نہیں ملتیں

اس ضرورت سے انہوں نے تم سے ملاپ کیا وہاں شادی میں ان کو اپنے جیسی  
امیرزادیاں مل گئیں تم سے ملنا عار سمجھیں۔  
خیر النساء۔ ان کو مجھ سے صرف شادی میں ملنا عار تھا اور مجھ کو ان سے ملنا انشاء اللہ  
عر بھر عار رہے گا۔

استانی جی۔ کچھ عجیب طرح کا معاملہ ہے اکثر امیر مغرور ہوتے ہیں اور سب کو اپنے  
سامنے بیچ سمجھا کرتے ہیں۔ دولت بھی بہت ہی بڑی چیز ہے آدمی کو شیطان  
بنادیتی ہے۔

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا  
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا  
حسن آرا۔ بھلا خیر وزیر بگیم اگر تھا ہے ساتھ بڑی طرح پیش آئیں تو انہوں نے بڑی  
نالائقگی کی بات کی محبت بلاپ میں امیری غریبی کی کیا بحث باقی رہی مگر لوں  
تو شادی کا مجمع مہمانداری کے سامان مہمانوں کی شوکت و شان جہیز کی آرائش  
رسموں کی خوبی یہ باتیں تم نے ضرور ہی پسند کی ہوں گی۔  
خیر النساء۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی شہر والوں کی شادی میں مجھ کو شریک ہونے  
کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور یہی شوق مجھ کو لے بھی گیا تھا مگر انجام کار کچھ  
دل کو فرحت حاصل نہ ہوئی۔ خدا جھوٹ نہ بلائے ہزاروں سی عورتیں جمع تھیں  
مگر غور سے دیکھا تو سب ایک رنگ میں تھیں جس کو دیکھا نشینی اور نمود کی تصویر  
پایا۔ اتنے مہمان گھر میں بھرے تھے سب تو امیر تھے ہی نہیں جس کو خود مقدر  
نہ تھا کرائے کے کپڑے مانگے کے زیور نائے ہوئے نوکر ساتھ لایا تھا اور  
اسی پر اترا ہا تھا۔ ایک بیوی ریشمی موزے دکھانے کی غرض سے گھٹنوں تک  
پائچے اٹھائے چلی آ رہی ہیں۔ دوسرے گرمی کے بہانے سے گلا کھول کھول



کہ زیور دکھا رہی ہیں تیسری بے تکلف سر کھولے بیٹھی ہیں تاکہ چوٹی کی بندش  
 موباف کی قطع پر لوگوں کی نظر پڑے۔ ایک صاحبہ نے پازیب کی آواز سنانے  
 کو گھڑی بھر میں خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی پچاس بیٹھکیں بدلی ہوں گی۔ یہ تو  
 ان بیویوں کا حال تھا جن کے پاس کوئی چیز اپنی یا مانگے کی تھی اور اس کو  
 جان جان کر دکھاتی تھیں اور بعضیاں خالی خولی ہی تھی اتنی تھیں۔ ایک  
 بیوی موٹی مٹھل کا دوپٹہ اور ٹھے بیٹھی تھیں۔ آپ ہی آپ نہ کوئی پوچھے نہ  
 سمجھے کہتی کیا ہیں۔ اسے دیکھنا بوا بنارس کے سیاہ کا مدار دوپٹے کا رنگ  
 بھی کیسا ہے لوزرا کندھے پر ڈالا تھا۔ کہ تمام کپڑوں میں دھبے پڑ گئے بھاری  
 میں نے اتار پھینک دیا ایک بیوی زیور میں لدی بیٹھی تھیں۔ اور ایک بیچاری  
 غریب ان سے باتیں کر رہی تھیں وہ بیوی جن کو میں بیچاری سمجھتی تھی کہتی کیا  
 ہیں کہ دیکھنا پیر سے کانوں کو کچھ ایسا بھنا گوشت خدانے بنایا ہے کہ مطلق  
 زیور کو نہیں سہا رسکتا جڑا ڈبائے پتے مگر مریاں میں تے ذرا کی ذرا ڈالی  
 تھیں کہ دیکھنے لگے ایسا معلوم ہوا کہ اب کٹ پڑیں گے ناچار ساری بابیاں  
 پہنیں ان سے بھی سوچ سوچ کر کیا ہوئے میں نے کہا بھٹ میں پڑے  
 وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان کہیں ایسا نہ ہو ٹھینٹ پڑ جائیں اتار رکھیں  
 غرض جس کو دیکھا۔ شیخی کے مرض میں مبتلا پایا۔ آپس میں جو بیویاں باتیں  
 کر رہی تھیں کسی کی مصیبت کسی کی شکایت اس کے ہوا کچھ مذکور نہ تھا  
 جتنی تھیں کپڑوں کے رنگ اور خراش تراش اور وضع واری مجلس اس  
 میں محو تھیں شادی کی خبر سن کر بیچارے غریب غریبا سبھی مانگنے چلے  
 آئے تھے اتنا سامان تھا کہ رات دن دیکیں کھر کتی تھیں مگر شاید ایک  
 چادر خدا کے نام کسی غریب کو نہیں بلا منوں کھانا ضائع ہوا چوری

گیا۔ رکھا لہر گیا۔ مگر نہ دیا۔ محتاج کو دھکے اور گالیاں دی جاتی تھیں ایک  
 بیماری بڑھیا بھیک مانگتے نہیں معلوم کس طرح اندر محل میں چلی آئی تھی  
 نیچے کا دھڑا رہ گیا تھا خدا جانے کس مصیبت سے گھسٹی گھسٹی آئی ہوگی  
 گھنٹوں انگنائی میں پڑی چلا یا کی۔ کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ سب اپنے اپنے  
 کھانے میں لگے رہے اور میرا یہ برا حال کہ بڑھیا کی آواز کان میں چلی آئے۔  
 اور رقمہ حلق سے نہ اترے پہلے میں دیکھتی رہی کہ اب بھی کوئی گھر والی اس  
 بڑھیا کی کچھ خبر لے۔ جب بہت دیر ہو گئی اور کسی نے بات تک نہ پوچھی تو  
 تو ایک خمیری روٹی میں ایک مٹھی چاول رکھ اپنے چھوٹے بھائی احمد کو دی  
 کہ جاؤ وہ بڑھیا انگنائی میں گھڑی ہے اس کو دے آؤ جو تھی احمد روٹی لے  
 کر اٹھا اس بیوی کی نظر پڑ گئی جو ہم لوگوں کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ خدا جانے  
 وہ کون بیوی تھیں۔ مگر گھر والوں کے پاس کے رشتے کی ہوں گی۔ انہوں نے  
 دوڑا احمد کے ہاتھ سے جھپٹا مارا روٹی چھین لی۔ اور بولیں لوگو! کچھ خدا کا  
 خوف بھی ہے دسترخوان پر آنکھوں دیکھتے یہ غضب میں بولی خدا ہی کا خوف  
 کھا کر میں نے یہ روٹی فقیرنی کو دینے بھیجی تھی۔ تب وہ بیوی کیا کہتی ہے۔  
 حلوائی کی دکان دادا جی کی فاتحہ بیوی سنو ایسا ہی خوف ہے تو گھر جا کر لنگر  
 بانٹنا مجھ کو ایسی سخت بات کہی تھی اس کا تو مجھ کو کچھ بھی رنج نہیں مگر میرے  
 سبب سے بڑھیا غریب کی جو شامت آئی اس کا مجھ کو اب تک صدمہ ہے۔  
 اس بیوی نے جو بیماری فقیرنی کو دیکھا لوٹڈیوں پر اس قدر خفا ہوئیں کہ  
 خدا کی پناہ اور چلائیں نکالو اس مردار بڑھیا کو کس نے اس کو یہاں آنے  
 دیا لوٹڈیوں نے بلاتال بڑھیا کو گھسیٹ دروازہ کے باہر ڈال دیا۔ میری یہ  
 کیفیت تھی کہ جی چاہتا تھا اس بیوی کو نوچ لوں۔ مگر کیا کر سکتی تھی۔ دسترخوان

پر سے تو میں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ شربت پلائی میں دینے کو ایک چوٹی میرے پاس تھی وہی چوٹی میں نے احمد کے ہاتھ بڑھیا کو بھیج دی اور اس کو اپنے مکان کا پتہ بتا دیا اور فوراً ڈولی متکا اپنے گھر چلی آئی۔

استانی جی۔ کیا اتنے مہانوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اس کو بڑھیا کی حالت پر رحم آیا، خیر النساء۔ جناب دم کیسا! جب لونڈیاں اس کو گھیسٹے لگیں۔ سب کے سب ٹھٹھے مار مار رہیں تھے۔ کھانے کے بعد لڑکیوں نے بڑھیا کی نقل کا کھیل بنایا۔

حسن آرا۔ فقیریاں اکثر مکار بھی ہوتی ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے اندھی بن جائیں لنگڑی بولی ایاچ ہو جائیں۔

استانی جی۔ اگر ایسا شبہ کیا کریں تو اصلی محتاج بھی محروم رہ جائیں اور خیرات کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ دینے والے کو اتنی تفتیش سے کیا مطلب اور مانگنا تو شرم کی بات ہے۔ کوئی آدمی بے ضرورت سوال نہیں کرتا آخر کو جو مکر کے مانگتے ہیں ان کو بھی حاجت نے مجبور کر رکھا ہے۔

حسن آرا۔ کیوں بعض بے حاجت بھی مانگتے پھرتے ہیں غیرت باقی نہیں رہی کمانے کے لیے بھیک سے زیادہ سہل کوئی تدبیر نہیں۔ ہمارے محلے میں چند روز ہوئے ایک فقیرنی مری تھی معلوم نہیں کتنی اکثریاں کے ہنٹے روپے اس کی کوٹھڑی میں سے نکلے۔ پس کیا حاجت اس سے بھیک منگواتی تھی نہیں بلکہ طمع۔

استانی جی۔ بھلا طمع سے کوئی فرد بشر خالی ہے۔

حسن آرا۔ طمع تو سب کو ہے مگر طمع والوں کی مانگنا کچھ ضرور نہیں۔

استانی جی۔ ایسا نہ ہو کہ خداوند کریم جو سب کو ہوتا ہے اس قاعدے کا برتاؤ کرے

البتہ حاجت مند کا حق مقدم ہے بہتر یہ ہے کہ کوئی واقع میں حاجت ہوا نہیں

کو دیا جائے مگر نہ دینے کے لیے خواہ مخواہ ہر ایک پر بے وجہ شبہ بھی مت کر دے تحقیق دینے سے یہی نہ کہ بعض بے استحقاق لے جائیں گے مگر اس زمرے میں سینکڑوں مستحق بھی تو پس جائیں گے۔ اکثر اس قسم کی محبتیں وہ لوگ نکالا کرتے ہیں جن کو خدا کے نام دینا منظور نہیں ہوتا۔

حسن آرا۔ بواخیرالنسار یہ عیب جو تم شہر والوں میں بتاتی ہو کیا گاؤں میں نہیں ہوتے دیہات میں سب اللہ کے ولی ہی تو ہوتے ہیں۔

خیرالنسار۔ نہیں اچھے بڑے سبھی جگہ ہوتے ہیں گاؤں شہر پر کیا موقوف ہے مگر اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ گاؤں والوں کی اتنی شوخی اتنی ظاہر داری ہرگز ہرگز نہیں ہوتی۔ حسن آرا۔ بھلا شہر والوں کے مزاج خراب ہی مگر شہر والوں کی وضع مطبوع وضع ہے۔

خیرالنسار۔ کچھ آپ ہی کے نزدیک شہر والوں کی وضع مطبوع ہوگی پردہ داری تو بالکل نہیں یہ احمد میرا چھوٹا بھائی نہیں ہے۔ اس نے شہر کے لڑکوں کو دیکھا دیکھی بال رکھوائے تھے۔ اب یہ بلا کا اہتمام ہے کہ دوسرے دن آنولوں سے

سردھویا جاتا ہے دن میں دس دس دفعہ کنگھی پوری ہے۔ صبح و شام تیل ڈالا جاتا ہے۔ جب تک بال چھوٹے رہے کہیں شلیموں کے پانی سے سردھلتا ہے کہیں ماش کی وال ملی جاتی ہے اماں کہتی بھی تھیں کہ جس دن تیرا بابت آیا کھڑے

کھڑے تیرا سر منڈوا کر رہے گا۔ جتنا بناؤ سنگار تجھ سے کرتے بن پڑے کر لے آخر تو یہ بال ناٹ کے گھر جائیں گے۔ آگے جاتے ہوئے خدا کا کرنا اب بھی

آموجود ہوئے میاں احمد کو دیکھو تو ہر دم عمامہ سر پر بندھا ہے کہ کہیں بال نہ دیکھ لیں مگر باتیں تو سر پر سوار تھا چھپے کیونکر۔ اب نے دیکھ ہی لیا

بہت خفا ہوئے کہ مردود شہر والوں کی طرح تو بھی زرخیز بنے گا کیسا حجام کس کا نانی قلمدان سے مفروض نکال اپنے ہاتھوں سے بالوں کا ڈھیر لگا

دیا۔ اب میاں احمد میں کہ گنجا سر لیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اماں سے کہا کہ پڑھوانے کے لالچ سے تم لڑکوں کو یہاں لائی تو ہو مگر ایسا نہ ہو کہ ان کو شہری غنڈہ بنا کر لے جاؤ۔ دیکھو خیر وار! خیرن کو شہر کی لڑکیوں میں مت بیٹھنے دینا۔ شہر کے مردوں کی طرح وضع تو خیر عورتوں کی وضع نحوذبالشبالکل خلاف شرع اور خلاف حیا ہے۔

استانی جی۔ تمہارے ابا نے بہت ٹھیک کہا مگر دیکھو خیر النساء مجھ کو شہر والیاں پھیرتی بھی ہیں لیکن میں ان کی وضع کی تقلید نہیں کرتی۔

خیر النساء۔ جناب آپ اپنے تئیں ناحق شہر والیوں میں گنتی ہیں نہ شہر والوں کا سا آپ کا مزاج نہ شہر والوں کی سی آپ کی عادت آپ تو دیہاتیوں سے بھی پردہ کپڑا پہنتی ہیں آپ کی دیکھا دیکھی تو میری اماں بڑی آستینوں کی کرتی پہننے لگی ہیں۔

استانی جی۔ بوا حسن آرا بیگم! یہ تو بڑی بے جا بات ہے کہ خیر النساء شہر والوں میں عیب پر عیب نکالتی چلی جاتی ہیں۔

حسن آرا۔ کیا بتاؤں مجھ کو دیہاتیوں کے حال سے خوب واقفیت نہیں ورنہ مفاد پشت تک اکھاڑ کر رکھ دیتی اور ذرا آپ ان شہر کی لڑکیوں کو دیکھیے یہ کچھ بوجھاڑ ہو رہی کوئی ہوں بھی کرتی ہے کیسی دم بخود بیٹھی سن رہی ہیں۔

محمودہ۔ بھلا بوا خیر النساء.....!

شہر بالو۔ ذرا خیر النساء کو میری ایک بات کا جواب پہلے سے لینے دیجیے۔ کیوں بوا خیر النساء گفتگو شہر والوں کی بہتر ہوتی ہے یا دیہات والوں کی؟

خیر النساء۔ تم سب شہر والوں ایک طرف ہو جاؤ گی تو مجھ اکیلی کو قائل کر دینا کون بڑی بات ہے مگر کوئی مجھ کو یہ بتا دے کہ گفتگو کی بھلائی بڑائی ہے کیا چیز؟



سب کچھ شہر کی بدولت ہے مگر میں تو کہتی ہوں شہر والوں نے میری بولی خراب  
کر دی۔

حسن آرا۔ لو اور سُنو وہی کہاوت ہے گدھے کو نوں دیا۔ اس نے کہا میری آنکھیں  
دکھتی ہیں۔

خیرالنسار۔ یہ بڑی شہر والی ہیں اور ان کو اپنی گفتگو پر بڑا ناز ہے۔ نہ سمجھیں نہ  
بوجھیں کہہ دینے سے کام۔

حسن آرا۔ سیدھی تو بات ہے پہلی نہیں چستان نہیں سمجھنے کو کیا ہوا تم نے ہی  
کہا یہی نہ کہ شہر والوں نے میری بولی کو بگاڑ دیا۔

خیرالنسار۔ ہاں ہاں بگاڑ دیا اب خدا کے گامیں اپنے گھر جاؤں گی تو وہاں  
والے میری باتوں پر ہنسیں گے اور میری نصیحتیں کریں گے۔

استانی جی۔ خیرالنسار سچ کہتی ہیں بڑی خرابی کی بات ہے شہر کی بولی بولو تو  
گاؤں والے ہنسیں اور دیہات کی بولی بولو تو شہر والے چھیڑیں۔

حسن آرا۔ دس نکٹوں میں ایک ناک والا نکواب کیا نکٹوں کے ڈر سے آدمی ناک  
کٹا ڈالے خیرالنسار شوق سے تم یہی بولی بولنا۔

خیرالنسار۔ نہیں بوائیں جیسا دیس ویسا بھیس شہر میں آئی۔ کتابلی کرنے لگی گھر  
گئی۔ پھر وہی آٹا روٹی۔

حسن آرا۔ گاؤں میں تم جاؤ گی سہی مگر ممکن نہیں کہ تمہارا وہاں جی لگے انشاء اللہ اگلے  
ہی مہینے اٹے پاؤں بھاگو گی۔

خیرالنسار۔ ہم گاؤں والیوں کا خدا ایسا دیدہ ہوا آئی نہ کرے کہ گھروں میں جی نہ  
لگے۔ اس مکتب کے سوا اور بھی کوئی چیز ہے جس کو میں گاؤں میں جا کر یاد کروں گی۔

حسن آرا۔ ہزاروں لاکھوں چیزیں یاد کرنے کی ہیں ایک بات ہو تو کہوں بڑے سوتے



بچھونے سے نہیں اٹھے کہ چنے پر مل والوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔

خیر النساء۔ اے لاجول ولاقوہ چنے بھی کوئی آدمی کا کھانا ہے یا جانوروں کا  
وانہ بس دیکھی شہر والوں کی نزاکت۔

حُسن آرا۔ وہ دیہاتی چنے ہیں جن کا تم مذکور کرتی ہو شہر کے چنے سُبحان اللہ جھلتے  
ہوئے گرم سوندھے خستہ اور ٹھڈی کا نام نہیں نرم ایسے کہ بے تکلف  
پوپلے کھاتے ہیں۔

شہر بانو۔ اور لطف یہ ہے کہ کوڑیوں اور نوہے کی کیل پرلنے ٹاٹ اور گوڈر کے  
بدلے چنے لے لیجیے۔

حُسن آرا۔ اور چنے والا ابھی گلی سے باہر نہیں لگا کہ خواجے والا موجود ہوا تازہ  
حلہ پوری تازہ خستہ کچوریاں تازی مٹھائی ہمہ نعمت موجود ایک گیا ایک آیا۔  
پہر رات گئے ٹسک می تانتا لگا رہتا ہے۔ برتن کپڑا گونا گونا کناری برت میوہ  
پھل تڑکاری جو چیز چاہیے گھر بیٹھے لے لیجیے کتنے بڑے آرام کی بات ہے  
کباب ایک سے چٹپٹے مزیدار مٹھائیاں ایک سے ایک تحفہ خوشگوار چھ کوڑی  
کا سودا لو تو بھی دو نئے میں دیں گے یہ نہیں کہ سودا لینے جاؤ تو بھیک کا  
پیالہ گھر سے لے کر نکلو۔ سودے والوں کی صدائیں سننے والوں کے دلوں  
کو بھائیں۔ حق تو یہ ہے کہ دنیا کی بہشت شہر ہے خدا رکھے تو شہر میں روزہ گاہوں  
کے جینے سے مجھ کو مرنا قبول ہے۔

خیر النساء۔ الدردی چنڈی منہ سوئی پیٹ کوئی بس کھانے پر مرقی ہیں ہم دیہاتیوں  
میں بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں یا زارہ کی چیز زبانی پر بھی نہیں رکھتیں ہم لوگوں  
میں تو اس کو بڑا عیب گناہا ہے۔

حُسن آرا۔ آہا! آپ بڑی بھلی مانس بڑی اشراف کیوں نہ ہو۔ شریف پور میں

آپ رہتی ہیں اور ہم شہر والے کہنے اور روالے۔  
 خیر النساء۔ کیوں کیا باہر والوں کی شرافت میں کچھ کلام ہے۔ ہم لوگ ٹکسالی اشراف  
 ہیں۔

حسن آرا۔ تمہاری ذات کیا ہے؟  
 خیر النساء۔ بیچارے پتلی وال کے کھلنے والے شیخ۔  
 حسن آرا۔ میں تو مغلائی ہوں۔ کیوں بوا کیا اس مکتب میں کوئی اور شیخ نہیں؟  
 حلیمہ۔ میں ہوں۔

کلثوم۔ میں بھی شیخ ہوں۔

زبیدہ۔ ہم بھی شیخوں کے نام لیوا ہیں۔  
 خیر النساء۔ حلیمہ اور کلثوم کا حال تو میں کچھ جانتی نہیں۔ زبیدہ جیسی شیخوں کا نام  
 لیوا میں مجھ کو خوب معلوم ہے اور زبیدہ نے کہا بھی ٹھیک اپنے کو شیخ نہیں

کہا شیخوں کے نام لیوا کہا۔ زبیدہ تم کوئی شیخوں میں شیخ ہو۔

زبیدہ۔ کوئی شیخ تو میں جانتی نہیں البتہ شیخ نسا کرتی ہوں۔

خیر النساء۔ اجی قریشی بہو عثمانی ہو صدیقی ہو (ہنسر) ڈفالی ہو۔

زبیدہ۔ یہ مجھ کو معلوم نہیں مگر ڈفالی تم ہو گی۔

خیر النساء۔ تمہارے ماموں کا کیا نام ہے؟

زبیدہ۔ میرا باا اور علی بیگ۔

خیر النساء۔ اور خالو۔

زبیدہ۔ میر تقی۔

خیر النساء۔ اور بہنوئی۔

زبیدہ۔ دلاور خاں۔

خیر النساء۔ تو تم بوا خاصہ ست نجی شیخ معجون ہو۔ ایک گھر میں چاروں ذات۔

خیر النساء۔ بیگم صاحبہ شہر کے شیخوں کو آپ نے دیکھا۔

حسن آرا۔ دوسری ذات میں رشتہ ناطہ کرنا کیا کچھ منع ہے؟

خیر النساء۔ شریعت میں تو منع نہیں مگر باہر کے اشراف منع سے بڑھ کر جانتے ہیں

ہم لوگ سیدوں کو بیٹی نہیں دیتے۔ مثل پٹھان کی کون کہے اور تمہارے

شہر کا یہ قاعدہ ہے کہ ذات جماعت کچھ نہیں دیکھے۔ صورت شکل اور رویہ

پیسہ دیکھا پھر نہ بیٹی لینے کا مضائقہ نہ بیٹی دینے میں عار اور دیہات

والوں میں استخوان اچھی چاہیے دولت ہو یا نہ ہو۔

محمودہ۔ بھلا اس سے حاصل جب خدار رسول کے نزدیک منع نہیں تو ذات ذات

کوئی چیز نہیں۔

خیر النساء۔ حاصل حصول تو میں کچھ جانتی نہیں بزرگوں سے ایک بات ہوتی چلی آ رہی!

ہے۔

استمائی۔ دنیا میں بے وجہ کوئی رقم جاری نہیں ہوتی۔ ذات سے بھی بڑے بڑے

فائدے تھے اور ہیں دنیا میں ذات سے زیادہ پرانی کوئی رقم نہیں اور کچھ

نہ کچھ فائدہ اس رقم سے ہے آج تک یہ رقم موقوف نہیں۔ شروع پیدائش

دنیا سے کئی ہزار برس تک بادشاہت کا انتظام بیٹھنے نہیں پایا۔ چاروں

طرف لوٹ کھسوٹ مچی رہتی تھی آئے دن ڈاکے پڑا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ

آپس میں مار کٹائی ہوا کرتی تھی ان دنوں جان و مال دونوں غیر محفوظ تھے

اس واسطے پہلے لوگ جتنے باندھ باندھ کر رہتے تھے اور ایک داد پر داد

کی اولاد ایک گروہ ہی جاتی تھی جس گروہ میں آدمی زیادہ ہوتے تھے وہی

زبردست گنا جاتا تھا۔ اس واسطے ہر گروہ میں یہ عہد و پیمان ہوتا تھا کہ

آپس میں شادی بیاہ ہو اور اس گروہ کی طاقت کو گھٹنے نہ دیں۔ یوں ذات برادری کی رسم دنیا میں پھیلی جو آج تک چلی جاتی ہے۔ کچھ ذاتیں پیشوں کے اعتبار سے بھی الگ ہوئیں مثلاً جولاہے، موچی، لوہار، بڑھئی وغیرہ اور اس سے یہ فائدہ تھا کہ اس ذات کے لوگ اپنے تئیں اس پیشہ کا ٹھیکیدار سمجھ کر اطمینان کے ساتھ کام کریں اور غیر آدمی اس کو ہاتھ نہ لگا سٹے جتنا نچر ہی دستور اب تک چلا آتا ہے ہوتے ہوتے بادشاہت کا انتظام اب بخوبی بیٹھ گیا۔ جان و مال کی حفاظت کے لیے اب نہ جتھا درکار ہے نہ گروہ ویسے ہی ذات برادری کا بچار کم رہ گیا ہے اور شہروں سے تو اب بالکل اٹھ ہی گیا پیشوں کے اعتبار سے جو ذات کا امتیاز تھا۔ اس میں بھی کمی ہے۔

خیرالنسار۔ تو ذات کچھ فخر کی بات نہیں۔

استانی جی۔ آدمی آدمی سب برابر فخر کی بات اگر ہے تو ہر ہے

خیرالنسار۔ مگر ذات پہلے سے چلی آتی ہے اور ذات پر فخر بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔ استانی جی۔ جن لوگوں سے ذاتیں چلیں وہ بڑی نمود کے لوگ تھے اور اپنے گروہ میں سردار تھے۔ آخر فخر کریں تو وہ لوگ اور یوں تو ذات پر برابر فخر ہوتا چلا آیا ہے کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ اس میں لوگ شیخی خور سے نہ رہے ہوں جب لیاقت والے بزرگ مر گئے جن کا نام نھان کی اولاد میں کوئی نام نمود والا ہوا نہیں اب یہ فخر کریں تو کس بات پر بیچا سے مردوں ہی کی بڑیوں کو چھوڑ لے ہیں۔

خیرالنسار۔ کچھ ہو مگر دھنیے جلا ہوں کی برابری تو نہیں ہو سکتی۔

استانی جی۔ پھر حسن آرا بیگم کی امیری پر ناحق اعتراض ہے ان کو امیری کا گھمنڈ تو کسی قدر جائز بھی ہے۔ ان کو خدا نے دولت تو عے رکھی ہے۔

تمہارے پاس نرمی شیخی کے سوا اور کیا ہے اور خدا کے یہاں تو اس کی پرکاش  
ہی نہیں۔ دیکھو اس زمانے کی سیدانیاں اپنے تئیں کتنا دور کھینچتی ہیں اور  
پیغمبر صلعم صاحب نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو جن سے سیدوں کی جڑ بنیاد  
ہے بلا کر فرمایا کہ اے فاطمہؑ! اس دھوکے میں مت رہنا کہ میں پیغمبرؐ کی  
بیٹی ہوں بلکہ عاقبت کے لیے سامان کر جب خود حضرت فاطمہؑ کا یہ حال  
سے تو اب اور کس گنتی میں ہیں۔ ہندی کا ایک دوہا کیا ہی اچھا ہے۔

ذات پات نہ پوچھے کوئے ہر کونجھے سوہر کا ہوئے

حسن آرا۔ کیوں خیر النساء! اب تو کبھی ذات کا نام نہ لو گی۔

خیر النساء۔ تم تو بات بات میں امیری نہ جتاؤ گی۔

استانی جی۔ ذات اور امیری پر کیا موقوف ہے۔ غرور تو کسی بات پر کرنا ہی

نہیں چاہیے۔

حسن آرا۔ دیہات والے چاہے ٹکسالی اشرف ہوں مگر عجب روڑھی بھدی اور

بہنگم صورتیں ہوتی ہیں کہ بے اختیار مننے کو جی چاہتا ہے۔ نزاکت تو کسی کو

چھو نہیں گئی اچھی بچھی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں۔

خیر النساء۔ شہر والوں کی وضع اور خراش تراش کا جواب تو میں پہلے ہی دے چکی

ہوں اگر وضع داری بے پردگی کا نام ہے تو ایسی وضع داری کو سلام ہے۔

اور ذرا مجھ کو نزاکت کے معنی سمجھا دیجیے۔

حسن آرا۔ مجھ کو تو ایسی ہندی کی چندی نہیں آتی۔

محمودہ۔ نزاکت یہ کہ دبلا ڈیل سونٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کم خوراک محنت اور

تکلیف کی برداشت نہ کر سکے۔

خیر النساء۔ کیوں سلیم صاحب نزاکت کے یہی معنی ہیں نہ جو محمودہ نے بیان کیے۔

حسن آرا۔ بے شک۔

خیر النساء۔ میں باری اور تم جیتیں۔ خدام دیہات والیوں کو روگی اور پانچ نہ کرے کیا الٹی سمجھ ہے معذوری پر فخر اور مرض پر ناز اس کے بعد سب نے سکوت کیا تو خیر النساء بولی اور بھی کسی کو دیہات والیوں پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہو تو کہہ گزرو۔

حسن آرا۔ ابھی تو میرے ہی اعتراض باقی ہیں دیہات والیوں کے بے سلیقہ ہونے میں بھی کچھ کلام ہے۔

خیر النساء۔ میں شہر والیوں کے لغت کم سمجھتی ہوں پہلے یہ تو فرمائیے کہ سلیقہ کسے کہتے ہیں؟

حسن آرا۔ نشست برخواست بات چیت کا دستور بولا جاتا ہے۔  
خیر النساء۔ یہ واللہ باللہ اور قبلہ و کعبہ اور مہرا اور کورنش اور مزاج مقدس یہی نہ۔

حسن آرا۔ ہاں یہ بھی داخل سلیقہ ہے دیہات والیوں کی طرح بی بو بوسلام حسن آرا نے اس طرح دیہات کی بوٹی کی نقل کی کہ سب لڑکیاں ہنس پڑیں اور خود خیر النساء بھی ہنسی کو ضبط نہ کر سکی۔

خیر النساء۔ یہ تو پھر وہی بولی کا طعنہ ہوا۔ جھوٹے تپاک ظاہر واری کے اشتیاق بناوٹ کی لگاؤٹ منہ دیکھنے کی محبت دکھاوے کے پیار کس کام کے ہم باہر والے سیدھے سادھے منہ پر کم اور دل میں بہت کچھ ہیں وزیر بلیم کے ہاتھوں اسی ظاہر واری کے دھوکے میں تو ماری پڑی۔ عیسوی چھری زہر کی بھی منہ در منہ خاندانی پیٹھ پیچھے دشمن جانی چلو مکارو دیکھ لے تہا کے سلیقہ اونچی دکان پھیکا پکوان میں تہا کے رگ وریشے سے واقف ہوں

بس بہت مزہ مت کھلو اور ابھی تکلف کا لفاظی اور صبر کر رکھ دوں گی۔  
 محمودہ۔ بیگم صاحب اب بس کیجیے ان کو وزیر بیگم کی بے وفائی پر غصہ آگیا ہے۔  
 خیر النساء۔ ہرگز مجھ کو غصہ نہیں ہے بے شک ان کو اعتراض کرنے دیجیے  
 میں ان کو قائل کر کے رہوں گی۔

حسن آرا۔ ہاں۔

خیر النساء۔ ہاں اور ہاں۔

حسن آرا۔ بھلا سچ کہتا دیہات والیاں بے ہنر ہوتی ہیں یا نہیں؟  
 خیر النساء۔ قصور معاف یہ اعتراض آپ کے منہ سے اچھا نہیں لگتا۔ کوئی اور  
 لڑکی کہے تو جواب دوں۔

حسن آرا۔ (کھسیانی ہو کر) میرا کیا مذکور تھا میں اب تک دولت کو ہنر سمجھتی  
 رہی اب خدا نے چاہا تو تھوڑا بہت سیکھ ہی لوں گی۔ مگر ہنر مندوں سے  
 شہر بھرا پڑا ہے۔ بہتر سے بہتر سلائی۔ بہتر سے بہتر کاڑھتا۔ بہتر سے بہتر  
 کام ہر گلی کوچے میں ہے۔

خیر النساء۔ سچ ہے دیہات میں ایسے ہنر نہیں ہوتے۔

حسن آرا۔ بھلا شکر ہے تم نے ایک تو مانی۔

خیر النساء۔ ذرا سن تو لیجیے ان ہنروں کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ دیہات  
 میں ان چیزوں کی قدر نہیں اور نہ دیہات والوں کو ایسے تکلفات کی ضرورت  
 اور عادت ہے۔

حسن آرا۔ نہیں گاؤں والوں میں کچھ عقل بھی واجبی ہی واجبی ہوتی ہے۔  
 محمودہ۔ عقل کی ترقی کے سامان گاؤں والوں کو میسر نہیں زمین سے غلہ پیدا کر  
 لینا اور مویشیوں کو پالنا بس یہی دو بیڑے کام ہیں۔



خیر النساء۔ کھیتی بھی بجائے خود بڑا مشکل کام ہے ذرا دولت مند کو دیکھو زمین کو دور سے کرتے اور جنس کو اعلیٰ اور عمدہ بنانے کی کیا کیا نادر تدبیریں لکھی ہیں مگر سچ یہ ہے کہ کوئی کرتا نہیں زمین جوت کر بیج بو دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

حسن آرا۔ کیا دیہات میں عورتیں بھی کھیتی کرتی ہیں؟

خیر النساء۔ غریب آدمی جن میں پردے کا رواج نہیں ان میں بہو بیٹیاں مردوں کے برابر کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ مگر ہم لوگوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہماری بھی کھیتی ہے گھر میں نر کاریاں بولیں۔ امرود، انار، آرد، فالسہ، کھیرنی، لیموں، نارنگی، بیر، آم اس طرح کے میوہ دار درخت جگہ ہوئی تو لگائے یا جی بہلانے کو ایک آدھ کیاری میں پھول۔ مگر پھر بھی دیہات والے خدا کے نمونہ قدرت سے ناواقف نہیں ہوتے کہ خشکے کا پیر اور مستحجن کے درخت کو دیکھ کر حیرت کریں۔

استانی جی۔ دیہات والوں کے حال پر اہلہ مجھ کو بھی اس خیالی سے تاسف ہوا کرتا ہے کہ ان کو عقل کی اصلاح کا کچھ سامان بہم نہیں پہنچتا بیچارہ یاں انواع و اقسام کے اوبام میں مبتلا رہتی ہیں۔ ٹونے، ٹٹکے اتارے چرٹھانے نظر گذر جن، آسیب، بھوت، پریت، چڑیل، خال شگون جھاڑ پھونک جادو منتر نذر، منت ان چیزوں کا بچاؤ گاؤں والوں میں اکثر ہوتا ہے۔ شہر میں بھی یہ خرابی بہت تھی اب خدا خدا کر کے مولویوں نے درس سنا سنا کر کفر توڑا ہے یہی خیر النساء موجود ہیں ان کی چھوٹی بہن کو کس کس مصیبت سے میں نے چیچک کا ٹیکہ کرایا ہے کہ معاذ اللہ۔

# عورتوں کے توہمات کی ایک حکایت طولانی!

دیہات والوں کے خیالات میں بے دینی بہت سے سبب کیا ہے علم کی کمی عقل کی کوتاہی ہمارے دور کے رشتے کی ایک نانی تھیں کوئی چار برس ہوئے پورے سو برس کی ہو کر مریں۔ ان کے حالات سنو تو نہایت تعجب کرو۔ ایک تو اگلے وقتوں کی آدمی دوسرے مدتوں میں باہر دیہات والوں کی خوبو ان میں اتنا اثر کر گئی تھی کہ بس وہم کا پتلا بن گئی تھیں اتنا پھونک پھونک کر تو قدم رکھتی تھیں مگر بیچاری رہیں سدا غمزہ میاں بھائی جوان جوان بیسے جوان جوان بیٹیاں سب ایک ایک کر کے ان کے روبرو مرے اب اپنی مرتیوں کو شہر میں آکر رہیں تو صرف ایک بھتیجا ساتھ تھا بھرے کنبے میں یہ ایک بچہ بچا تھا یوں ہی اس کی اللہ آئین تھی اور اس پر (اللہ جنت نصیب کرے) نانی کی احتیاط میں کہہ نہیں سکتی کس آفت میں وہ لڑکا مبتلا رہتا تھا کوئی دکھ ہو ودا تو اس بیچے نے جانی ہی نہیں کہ کس کو کہتے ہیں بس ٹونے ٹونے لٹھکوں پر اس کی زندگی تھی جب نانی اس کو لے کر شہر آئیں تو کوئی چار مہینے کا بخار تھا لڑکا ٹکڑا سوکھ کر کاتا ہو گیا تیلیوں جیسے ہاتھ پاؤں پر اچھا خاصہ ورم موجود۔ تلی اتنی بڑھی ہوئی کہ پیٹ میں سانس مشکل سے سانسے اور اس کے ساتھ کھانسی بھی ایسی کھانسی کہ رات دن دم نہ لینے دے یہ تو حال تھا مگر آدمی کی دوا نہیں ملنی تھی۔ خدانہ کیسے کچھ پیسے کا لالچ تھیں اس لڑکے کے لیے نانی کو اپنی جان تک سے دریغ نہ تھی۔

اور سوائے اس کے ان کا اور تھا کون۔ آپ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔  
مال و متاع جو کچھ تھا اسی لڑکے کا تھا جو نہی پالکی سے اس نیم جان لڑکے کو لے  
کر اتریں ہم سب تو اس کی صورت دیکھ کر ڈر گئے۔

میں۔ اچھی نانی اس لڑکے کا کیا حال ہے اور کب سے یہ بیمار ہے؟  
نانی۔ تیزی کا چاند دیکھ کر جو بڑا ہے تو اب تک نہیں سنبھلا مرت بیاسی کے بچوں  
کی یہی تو خرابی ہے بات بات میں ہٹ بات بات میں ضد اس کی ضد نے  
اس کو بھی اس بد رٹے کو پہنچایا اور میں تو اس کی بیماری میں مرے سے  
بدتر ہو رہی ہوں کھانے کا مجھ کو ہوش نہیں اپنے تن بدن کی مجھ کو خبر  
نہیں دھڑکوں میں جان جاتی ہے۔

میں۔ اچھی پھر اس شہر میں کوئی حکیم کوئی ڈاکٹر نہ تھا۔  
نانی۔ بہتیرے حکیم بہتیرے ڈاکٹر مگر جب یہ کسی کے بس کے ہوں۔  
میں۔ کیا یہ دوا نہیں پیتا پرہیز نہیں کرتا۔  
نانی۔ نہیں دوا تو پی لیتا ہے اور پرہیز کو تو اب پانچواں مہینہ ہے۔ ابالی کھڑی  
کے سوا دوسری چیز زبان پر رکھی ہو تو حرام۔

میں۔ پھر کیا علاج نے خاندہ نہیں کیا؟

نانی۔ حکیموں کا علاج تو کیا ہی نہیں۔

میں۔ اچھی حکیم کسی اوروں کے واسطے ہیں یہ تو حال لڑکے کا ہو گیا ہے اور  
ابھی تک دوا بھی عمدہ سے عمدہ ملتی ہے بسم اللہ کر کے کل ہی علاج  
شروع کر دیجیے۔

نانی۔ حکیم کا علاج کرنے تو میں یہاں نہیں آئی ایتہ کچھ منتیں ہیں ان کو اتار لے۔  
میں۔ حکیم کی دوا کرنے میں تامل کی کیا وجہ ہے؟

ثانی۔ یہ مرض حکیموں کے قابو کے نہیں ہیں۔ اس لڑکے کی ماں کو کوکھ کا نخل تھا۔ پانچواں برس بچے کو لگا اور رخصت ہوا یہ لڑکا دسویں جگہ ہے نہیں معلوم کہاں کہاں کی خاک چھانی اور اس لڑکے کے پیچھے میں نے اپنا لہو اور پسینہ ایک کر دیا۔ اس دکھ کا دستور ہے کہ بارہ برس تک اس کا زور رہتا ہے ایک چار مہینے مصیبت کے اور میں بیٹل جائیں تو خاطر جمع ہو۔

میں۔ اس طرح کے دکھ لوگوں سے تو میں بھی سنتی ہوں مگر کچھ دل سے میں اس کی قائل نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دکھ ہو ماں کو اور بچوں پر بارہ بارہ برس تک اس کا اثر ہے اور کوئی دکھ ہو اس کی کچھ دوا ہے یہ کیسا لا علاج دکھ ہے کہ طیب اس کے قائل نہیں اور وید اس کو تسلیم نہیں کرتے ڈاکٹر اس کو نہیں مانتے اور نہ کچھ اس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ ہے کیا بلا۔

ثانی۔ ہاں اس تیرھویں صدی میں یہ نئی حکمت ایجاد ہوئی ہے ورنہ ہمارے خسر کیسے بڑے مولوی تھے کہ دنیا جہاں میں ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ خود اس کے عامل تھے اب برکت والے علم والے لوگ اٹھ گئے کٹھ ملا رہ گئے ہیں جن کو نماز تک کی نیت نہیں آتی۔ نئے نئے مسئلے نکالے ہیں پیر پیغمبر کے درود فاتحہ کو حرام بتائیں۔ سہرے کھانے کو منع کریں شادی بیاہ میں نوبت فقارہ سب بند۔ تیرتوار پیغمبروں سے چلے آتے ہیں۔ سب موقوف، محرم کا شربت حرام۔ شب برات کا مانڈا حلوہ حرام، عید کی سیویاں حرام۔ مرد تو بگڑے ہی تھے انہوں نے عورتوں کو بھی اپنے ساتھ خراب کیا وہی کہاوت ہے۔

میں تو دو دبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے دو بوں گا۔

اب کی سہاگنیں رانڈوں سے بدتر نہ کپڑوں میں رنگ نہ مرنے میں مستی نہ  
ناک میں نتھ نہ ہاتھوں میں چوڑیاں۔

ہیں۔ یہ سب کچھ ہے مگر اس سے کوئی فخرابی تو پیدا نہیں ہوتی بلکہ سر و دست ایک فائدہ  
ہوا کہ رسموں کی پابندی میں جو تکلیف ہوتی اس سے محفوظ رہے۔

نانی جب سے رہیں اٹھ گئیں دنیا سے رونق برکت محبت سبھی کچھ تو اٹھ گیا۔ رہا کیا  
ہے۔ یہاں بیبیوں میں وہ اگلے وقتوں کے سے اخلاص نہ رہے رہا بیٹیوں  
بہنوں میں پہلی سی بھیتیں نہ رہیں نہ وہ سستے سمے ہیں نہ وہ فراغتیں ہیں اب  
تو گھر گھر روٹیوں کے لالے پڑے ہیں۔

ہیں۔ نمودار تکلف کی چیزیں نئی نئی بہت چل نکلی ہیں اس سے سب کے خرچ  
بڑھ گئے ہیں اور ملک میں ہر طرف امن ہونے سے ایک جگہ کی پیداوار تمام  
ملک میں پھیل جاتی ہے دو سال اس طرف خشکی رہی کلکتہ تک سے غلہ کھینچنا  
چلا آتا تھا دوسرے آدمیوں کا شمار بہت بڑھ گیا ہے اناج سستا ہوا تو کویا  
کہ ہو۔

نانی۔ اسے چل لڑکی میں ایسے ڈھکوسلے نہیں سمجھتی میرے گھر آپ کھیتی ہوتی ہے  
بیگھے میں دن من ہوتا ہے تو اب دو دن نہیں ہوتا۔

ہیں۔ نانی میں نے کھیتی نہیں کی لیکن اس فن میں دو ایک کتابیں دیکھی ہیں اس میں  
ٹھک نہیں کہ اگلے زمانہ کی نسبت ان دنوں زمین کی پیداوار گھٹ گئی ہے  
سو اس کا سبب یہ ہے کہ اگلے زمانہ میں عملداری کا انتظام خراب تھا لوٹ  
کھسوٹ کے ڈر سے کھیتی کم ہوتی تھی اور بہت بہت زمین پڑی رہا کرتی تھی  
اور پڑے رہنے سے اس کی طاقت بڑھتی تھی جب بوٹی جاتی تو بڑے اناج  
ہوتے اب کسی سال زمین پڑی نہیں رہتی پیداوار تو گھٹا ہی چاہیے۔

نانی۔ بیٹی وہ پہلے کی سی برسات ہی نہیں ہوتی اتنی عمر ہونے آئی ایک چور انوسے  
کے کال کے سوائے ہم نے تو قحط کا نام نہیں سنا تھا۔ اب تو قحط ایک  
معمولی بات ہو گئی چار برس ہوئے اڑیسہ خاک سیاہ ہو گیا۔ دو برس ہم لوگوں  
نے مصیبت جھیلی اس سال فصل اچھی ہے تو پنجاب بگڑا ہوا ہے غرض کسی نہ کسی  
طرف کال ضرور رہتا ہے۔

میں۔ نانی میں تو جانتی ہوں برساتیں جیسی سدا سے ہوتی آتی ہیں ویسی ہی اب بھی  
ہوتی ہیں بلکہ نہروں کے جاری ہونے سے جا بجا پانی کی افراط ہو گئی ہے گولگلے  
دقتوں میں ہم کو اور شہر کا حال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک جگہ ذرا سی خرابی  
ہوتی ہے تو تمام ملک میں ڈھنڈورا پیٹ جاتا ہے۔  
نانی۔ ایک تو برسات نے کچھ ایسا لیل و نہار بدلا ہے کہ نہ گرمی میں گرمی رہی نہ  
جاڑے میں جاڑا۔

میں۔ عجب کیا ہے ہزاروں کوس کے جنگل کٹ کر آباد ہو گئے جا بجا نہریں جاری  
ہیں آبادی ڈیوڑھی ہو گئی ان باتوں نے آب و ہوا پر ضرور اثر کیا ہو گا۔  
نانی۔ اثر کیسا جن بیماریوں کا نام نہیں سنا تھا برس میں دو دو بار ان کا دورہ  
ہوتا ہے کوئی سال تو پیٹھے اور پھچک سے خالی نہیں ہوتا۔  
میں۔ کیا پیٹھے اور پھچک پہلے نہیں تھے؟

نانی۔ پیٹھے ہوتا تھا مگر وہی گرانی اور بد ہضمی کے پیٹھے ہوتے تھے۔ سو بھی شاذ و نادر  
اب تو عالمگیر و بار ہوتی ہے پھچک البتہ پہلے سے چلی آتی ہے جو آدمی کے  
اس حصے میں آیا ہے پھچک سے نہیں بچا قبر کے اندر تک تو نکلتی ہے۔  
میں۔ نانی اس کا تو انگریزوں نے ٹیکا وہ حکمی علاج نکالا ہے کہ کبھی خطا ہی  
نہیں کرتا۔

نانی سے ہے آگ لگے اس ٹیکے کو میں پانچ مہینے سے وہی دکھڑا بھیل رہی  
ہوں اس لڑکے کو اور روگ کیا ہے اس کے باوانے میرے بے پوچھے ٹیکے  
لگوا دیا۔ ابھی تک مصیبت سے پناہ نہیں۔  
میں۔ وانا اٹھا تھا۔

نانی۔ اٹھنا کیسا ساری ناتھ مہینوں پکا کی۔

میں۔ پھر چیچک تو نہیں نکلی ہوگی۔

نانی۔ بڑی ذات کی تو نہیں نکلی اور بڑی نکلی ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔

میں۔ کھسرا تھی تو وہ کچھ ایسی خطرناک نہیں ہوتی۔

نانی۔ اوپر والوں کی بے ترتیبی نے بگاڑ دیا اول تو ٹیکہ لگوا یا دوسرے ان کے  
نکلنے میں جو پرہیز ہوتے ہیں وہ نہ کیے۔

میں۔ کھسرا میں کچھ پرہیز بھی ہوتا ہے؟

نانی۔ کیوں نہیں گھر میں بچھا نہ لگے دھوئی کے گھر کے ڈھلے ہوئے سفید کپڑے

گھر میں کوئی نہ بدلے باہر سے اول تو کوئی آنے نہ پائے اور جو ایسی ہی ضرورت

ہو تو تخم کر اور دم لے کر خوشبو کسی قسم کی پاس نہ آئے۔ دوا تو اس بیماری

میں کرنی ہی نہ چاہیے۔ گرج کی آواز بچے کے کان میں نہ پڑے۔ اسی طرح کے

بہتر سے پرہیز میں مگر کرے کون ان کے باوا انہیں بگڑے ہوئے مولویوں میں

ہیں ان کے یہاں نہ کچھ پرہیز ہے نہ احتیاط بلکہ اس کو شرک اور کفر بتاتے

ہیں اس لڑکے کو کھسرا نکلی تو ضد کر کے پرہیزیاں کیں۔ کھسرا آنکھیں دکھنے

آئیں تو کمال کا علاج ہوا میں ہر چند کہتی رہی کہ دیکھو کھسرا کی آنکھیں ہیں۔

دوامت کرو ایک نہ نانی ایسی آنکھوں کی دوا یہی ہوتی ہے چنے کی دال

اتار رکھی سات پھول اتار کر رکھ چھوڑے آنکھیں اچھی ہوئیں نہر میں بہا



دیئے خیر انہوں نے آنکھیں تو اچھی کر والیں مگر آنکھوں کا اچھا ہونا تھا کہ بخار آنے لگا تب تو میں نے کہا کہ بلا سے شرک کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں مگر سہارہ کی بات میں دخل مت دو۔ ان کے باوا تو اسی بات پر لڑ کر علاقت پھیل گئے تب سے انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ لڑکا مرتا ہے یا جیتا ہے میں اس کے پیچھے دیوانی بن رہی ہوں دنیا بھر کی تدبیریں کر چکی بخار ہے کہ ایک دن کو بچھا نہیں چھوڑتا۔

میں۔ اچھی نانی تم کہتی ہو حکیم کا علاج نہیں کیا پھر وہ دنیا بھر کی تدبیریں کیا تھیں جو تم کر چکیں۔

نانی۔ مہینوں تو شربت کی کالھیاں اُتار کر چوراہے میں رکھوائیں۔ تمباکو کا باکھی بنا کر بلاناغہ سربانے رکھا۔ رتھ کے پھنڈے اس کے گلے میں لٹکائے سینکڑوں دفعہ پانی اور انگائے اس پر سے اٹائے۔

میں۔ نانی انگائے کیوں کراتا تے ہیں؟

نانی۔ پانی اور سات انگائے سر کی طرف سے پاؤں تک اُتائے اور گھر کی موری کے پاس جا کر ٹھنڈے کر دیئے اور ٹھنڈے وقت منہ سے کہہ دیا کہ بھوکا ہے تو آگ کھا اور پیاسا ہے تو پانی پی۔

میں۔ اچھا پھر یہ سب کچھ تو کر چلیں اور کچھ فائدہ نہیں ہوا روز بروز لڑکے کی حالت ردی ہوتی گئی تو اب حکیم کا علاج بھی کر دیکھو۔

نانی۔ یہ سب بگاڑ علاج ہی سے تو پڑے ہیں۔ اب پھر علاج کروں تو لڑکے سے لاتحدو ہو بیٹھوں۔

میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھسرا کی گرمی اندر بھر گئی ہے۔ اس کو ٹھنڈائی نہیں پہنچی۔ اس لڑکے کی افتاد تو ماں کے پیٹ سے بگڑی ہوئی ہے آج کل لڑکیاں بڑے

بوڑھوں کو تمہاری طرح احمق تو سمجھتی ہی ہیں اُس نے بھی میرے کہنے پر کبھی خیال نہ کیا اچھوتی کو کھ کو بیٹھے بھٹاٹے روگ لگا لیا۔

میں۔ کیا کچھ کھانے پینے میں بے احتیاطی کی؟

نانی۔ نہیں اس روگ کی روک ان سے نہ ہو سکی۔

میں۔ اچھی نانی مجھ کو تو سناؤ کس بات سے اس کی روک ہوتی ہے۔

نانی۔ آٹا چھانسنے میں جو آٹے کا گھیرا زمین پر بن جاتا ہے۔ اس کو لانگھنے سے یہ دُکھ ہو جاتا ہے۔ دو دن وقت طے پائے ضرور جاتے سے کسی کے ساتھ برابر کھڑے ہو کر گلے لگنے سے دوپٹے کا پلو زمین پر ٹکھنے سے چراغ کا ہاتھ پیٹ کو چھو جانے سے درخت تلے نہانے سے دُکھ والی کے نہانے کا پانی لانگھنے سے۔

میں۔ تو معلوم ہوتا ہے یہ کوئی بدنی بیماری نہیں۔

نانی۔ تو بہ تو یہ ایک طرح کا آسب ہے اور آدمی سے آدمی کو اڑ کر لگ جاتا ہے۔

میں۔ آخر سب سے پہلے جس عورت کو ہوا ہوگا تو از خود ہوا ہوگا۔

نانی۔ خدا کی پناہ لڑکی تو بلا کی جھتی ہے میں نے کہا نہیں کہ از خود بھی یہ روگ پیدا ہو جاتا ہے۔

میں۔ نانی تم کو خفا ہوتی ہے اب تم سے نہ پوچھیں تو کس سے پوچھیں۔

نانی۔ لے چل مکارہ میں خوب سمجھتی ہوں تو مجھ کو باتوں میں بناتی ہے۔

میں۔ اے ہے نانی میں اور تم کو بتاؤں گی۔

نانی۔ بالکل تیری ہی سی طبیعت اس لڑکے کی ماں کی تھی وہ بھی بات بات میں ناحق

کی جھتیں نکالا کرتی تھی جب تک جی خوش نصیب نہ ہوئی اب آپ تو حل سی

آفت ہمارے سر پہ ہے اور ماں باپ کے اختیار میں رہتا تو بہ تو یہ کیا یہ جیتا۔

وہ تو جس دن سے یہ مرض پڑی مجھی سسری کی تھی کہ ہر طرح کی خبر گیری کرتی رہی  
گٹھ سے اور تو سے اور منتیں اور چڑھا دے کوئی بات تو میں نے اٹھا نہیں لکھی  
میں۔ نانی بہت ہی بُرا عقیدہ تمہارا ہے تو یہ کرو تو بہ اب مرنے کے دن قریب  
آئے خدا کو کیا جواب دو گی۔ سوائے خدا کے مرنا جینا بھی کسی کے اختیار میں  
ہے یہی شرک ہے۔

نانی۔ خدا برحق اور اس کی قدرت برحق یہ باتیں بھی اسی نے بتائی ہیں۔ دکھا تو کون سے  
قرآن میں لکھا ہے کہ بچہ پیٹ میں ہو اور دُہرے دُہرے گہن پڑیں اور بچے  
والی آنگن میں چلے پھرے اور کام کرے بتا تو کون سی حدیث میں آیا ہے  
کہ بچوں کو مکان میں اکیلا چھوڑ دیا کرو۔ اور التوں کے تلے درختوں کے نیچے  
بے تامل و دودھ پلایا کرو۔

میں۔ قرآن اور حدیث میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے کہ موت و حیات صرف خدا کے اختیار  
میں ہے اور بندہ عاجز ہے۔

۸۔ نہیں اس کے سوا طاقت کسی میں  
کہ کام آوے کسی کی بے کسی میں

نانی۔ بھلا آگ کا کام جلانا ہے یا نہیں؟

میں۔ ہے اور خدا نے یہ تاثیر آگ میں رکھ دی ہے۔

نانی۔ بس نظر اور پر جھانوسے میں خدا ہی نے یہ تاثیر رکھی ہے۔

میں۔ تم نے یہ زبردستی ناحق کی تاثیریں مان رکھی ہیں کہیں سے اس کی اصل نہیں

پائی جاتی۔

نانی۔ اے لڑکی نظر کی تاثیر میں بھی کلام ہے نظر تو مشہور بات ہے پتھر کو نور دیتی

ہے۔ آدمی تو آدمی جانور کی نظر لگ جاتی ہے۔

میں۔ کس جانور کی۔

نانی۔ کتے کی، چھپکلی کی۔

میں۔ درودِ یواہر کی نظر لگنے کی تو غضب ہے کوئی زمین کے پردوں میں آدمی جا کر کھاٹے۔

نانی۔ زمین کے پردوں میں نہ جائے تو ایسی بے احتیاطی بھی نہ کرے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے کھانے لگے تم علاج علاج بہت پکارتی ہو دیکھو ایک ہی نظر ہے لاکھ علاج کرو جب تک وہ چیز نظر والے کو نہ پہنچ جائے گی۔ کوئی علاج تو فائدہ کرنے ہی کا نہیں۔

میں۔ آخر نظر کا کچھ دفعیہ بھی ہے۔

نانی۔ نظر والے کی پاؤں تلے کی مٹی یا لہس پیاز مرچ نمک چولہے میں جلاتے یا وہی کھانا چوراہے میں رکھو ادیتے ہیں یا نظر والے کو کھلا دیتے یا نظر رسیدہ کے ہاتھ سے گوشت چھو کر چیلوں کو دے دیتے ہیں بعض لوگ کھانے سے پہلے حق نظری نکال کر رکھ چھوڑتے ہیں کچھ کروڑے صدقہ اور صدقہ دیا اور بلا ثواب کا ثواب اور علاج کا علاج۔

میں۔ نہ ثواب نہ علاج۔ ثواب تو جب ہے خدا واسطے دیا جائے ایسا دینا تو ایک طرح کی بھینٹ ہوتی اور علاج سے تو کچھ علاقہ ہی نہیں۔

نانی۔ جو کچھ سمجھو۔ نظر کے زہر کے آثار کا منتر ہے تو یہ ہے۔

میں۔ نانی تم اتنی ہی تو احتیاط کرتی ہو مگر اس کا اثر تو خاک نظر نہیں آتا ہم نے تو تم کو سدا روئے ہی دیکھا۔ تم سے ہزار درجہ تو وہ لوگ خوش ہیں جو ان باتوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔

نانی۔ بیٹی میرے رونے کی کچھ نہ پوچھو جب سے آنکھ کے نیچے یہ مسہ اٹھا آسو

نہیں تھا۔

میں۔ پھر اس بیچارے لڑکے کو اسی طرح گھلایئے گا یا کچھ تدبیر بھی کیجیے گا۔  
نانی۔ اس کو کھانسی اور بخار دور وگ ہیں سو کھانسی کو تو ابھی چار دن اور  
میں نہیں چھڑتی۔

میں۔ کیوں!

نانی۔ اس کی کھانسی کالی کھانسی ہے اور اس کی بڑی عمدہ دوا یہ ہے کہ کالے  
گھوڑے کے سوار سے پوچھے جو کہے سو کرے سو گیا رہ دن ہوئے ایک شخص  
کالے ٹو پر چڑھا جاتا تھا اس سے پوچھا تو اس نے کہا دو ہفتے میں آپ اچھی  
ہو جائے گی۔ رہا بخار سو اس کی منتیں اتارنی مقدم ہیں۔ دیکھتی ہو چار چڑیاں  
سر پہ ہیں گردن میں ہنسلیوں اور چاندوں کا ڈھیر ہو گیا ہے کہیں کی چادر  
دینی ہے کہیں کا بکرا مانا ہوا ہے یہ منتیں اتاریں بخار کو اترا سمجھو تکلیف اس  
کو ہے میں جانتی ہوں مگر میری خاطر جمع ہے میں خواب میں اس کو مردہ دیکھ  
چکی ہوں اور جس کو مردہ دیکھو اس کی زندگی دراز ہوتی ہے۔ غرض کہ ہزار ہزار  
تدبیر کی کہ علاج ہونہ ہو آب و ہوا کی تبدیلی سے خود بخود لڑکے کی طبیعت  
بہت کچھ سنبھل گئی تھی کہ یکایک سنا کہ نانی کہ کل جا رہی ہیں۔

میں۔ اچھی نانی ایسی جلدی۔

نانی۔ ہاں بوا مکان اچھا نہیں کیا کروں۔

میں۔ ہاں کچھ بند بند سا ہے۔ ہوا کم لگتی ہوگی رات کو بالاخانے پر سو رہا کرو۔

نانی۔ آگ لگے اس گھر کو اور اس کے بالاخانے کو کوئی آدمیوں کے رہتے کا ہے۔

میں۔ نانی ایسا بہت چھوٹا تو نہیں ہے اور بالاخانہ تو خوب ہی ہوا دار ہے نیچے

کا صحن البتہ البتہ بھپا بھپا ہے۔

نانی۔ تم ہوا ہی کو پیٹتی ہو رات بھر بچہ اچھل اچھل پڑتا ہے اور کچھ ایسا بھیا تک  
بھیا تک کہ خود مجھ ہی کو ڈر لگتا ہے۔ تمام رات یسے یسے بڑے خواب نظر آتے ہیں۔  
میں۔ کبھی کچھ آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔

نانی۔ جھوٹ کیوں کہہ دوں دیکھا بھالا تو کچھ نہیں خدا نہ دکھائے مگر نہیں بوا مکان  
برا ہی ہے۔

میں۔ اچھی کیا بڑائی ہے۔

نانی۔ تمام رات تو کم سخت بلیاں روتی ہیں۔ پچھو اڑے بڑ کا درخت ہے اس پر اٹو  
رہتا ہے۔ رات کو جب آنکھ کھلی گلی میں کتوں کو روتے سونو کو ٹھاسب سے  
زیادہ خراب ہے۔

میں۔ دو برس تک ایک کرایہ دار بال بچوں سمیت اسی کوٹھے پر رہا ہم نے تو کچھ  
شکایت نہیں سنی۔

نانی۔ اس کے اٹھ جانے پر خراب ہو گیا ہوگا۔

میں۔ اچھی ایسا بھی ہوتا ہے۔

نانی۔ کیوں اچھے گھر میں چالیس دن چراغ نہ جلے تو اس میں دخل کر لیتے ہیں۔  
میں۔ نانی شہر کی ہوا لڑکے کو خوب راس آئی ہے۔ دیکھو تو پہلے کی نسبت ماشا اللہ

کتنا فرق ہے مہینہ سوا مہینہ اور رہ جاؤ یہ لڑکا بالکل اچھا ہو جائے گا۔

جی ان کا تو وہی منتوں کا تعاضا تھا سو میں کر چکی اب کچھ ڈر کی بات نہیں

اصل خیر سے ان کی سالگرہ ہو جائے تو پھر مجھ کو کسی طرح کا کھٹکا نہیں

میں تو آپ باہر سے گھبرا گئی ہوں۔ اس کی سالگرہ ہوئی اور میں سب کو ساتھ

لے کر آئی۔ غرض ایسا دہم دل میں سمایا کہ نہ ٹھہریں پر نہ ٹھہریں۔

دیکھو! ان ہماری نانی کے کیسے خیالات تھے جن کو دین اور عقل سے

کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ سب دیہات میں رہنے کا اثر تھا۔ سب سے بڑا عیب تو دیہات میں یہ ہے دوسرے عورتوں پر کچھ اس طرح کی سختی اور قید ہے بیان نہیں ہو سکتا آٹھ آٹھ اور دس دس برس کی بیاہی ہوئیں اور تین تین چار چار بچوں کی مائیں مگر گھونگٹ کا بوترا چڑھا ہوا ہے بات چیت سے معذور گفت و شنید سے محروم غرض کہ شرعی پردہ داری کے ساتھ جو آزادی عورتوں کو حاصل ہونی چاہیے دیہات میں میسر نہیں۔ غلامی کی حالت میں بیچارہ لوگوں کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ از بسکہ حسن آرا کی منگنی جھجھج میں ہوئی تھی اس بات کو سن کر ایسے سناٹے میں ہوئی کہ پھر بولی ہی نہیں۔ جب تمام ہونے آئی آستانی جی نے کہا لڑکیو! تم کو خدا کی سنوار ہے مسیح الملک کی کہانی کو کچھ ایسی گھڑی تہ کیا ہے کہ پھر اس کا نام تک نہیں لیا کوئی معمول ہوا ایک روز بھی ناغہ ہو جاتا ہے تو چالیس دن کی برکت اڑ بڑ جاتی ہے۔ تم کو کہانیوں میں کھیل سوجھتا ہے اور میں سبق سے بڑھ کر ان کو ضرور سمجھتی ہوں جاؤ کتاب نکال لاؤ۔

## حسن آرا نے مسیح الملک کی کہانی پڑھ کر سنائی

اس اثناء میں حسن آرا نے بھی چپے چپے اتنی استعداد پیدا کر لی تھی کہ عبارت پڑھ سکتی تھی فراٹے کے ساتھ تو نہیں پڑھا جاتا تھا مگر اٹکتی بھی نہ تھی شاذ و نادر کوئی عربی فارسی کا لفظ آگیا تو ذرا کے ذرا رُکی اور چل نکلی کہانیوں کا نام سن کر حسن آرا کے دل میں گدگدی ہونے لگی اور محمودہ کے پاس جا کر آہستہ سے کہا کہ آج جی چاہتا ہے کہ میں پڑھوں۔

محمودہ۔۔ بسم اللہ۔



حسن آرا۔ اُستانی جی سے کہتے شرم آتی ہے۔

محمودہ۔ شرم کی کیا بات ہے میں کہہ دوں۔

حسن آرا۔ کسی کو میرے پڑھنے کا حال معلوم نہیں سن کر تعجب ہو گا۔  
محمودہ۔ ہو گا تو سہی۔

حسن آرا۔ سب کان لگا کر سنیں گی ایسا نہ ہو میری سٹی بھول جائے۔

محمودہ۔ ان میں کوئی اجنبی آدمی نہیں ہے پڑھنے میں کتاب کے سوا اٹے تم دوسری  
طرف خیال نہ کرنا۔

حسن آرا۔ آگے کی کہانی کچھ بہت مشکل ہے۔

محمودہ۔ نہیں منتخب الحکایات تم بے تامل پڑھتی ہو اس سے تو کہیں سہل ہے۔  
حسن آرا۔ تم میرے پاس بیٹھنا۔

محمودہ۔ ضرور۔

حسن آرا۔ اُستانی جی تو کچھ خفا نہ ہوں گی۔

محمودہ۔ خفا کیوں ہونے لگیں۔

حسن آرا۔ اے سے جی ڈرتا ہے۔

محمودہ۔ اُستانی جی کی خفگی سے؟

حسن آرا۔ نہیں سب کے سامنے پڑھنے سے۔

محمودہ۔ اجی آنکھیں نیچی کیے تم پڑھ چلنا دیر میں جیاد کھل جائے گا۔ اتنے میں راجہ

کتاب نکال پہنچی جو نہی چاہتی تھی کہ پڑھے محمودہ نے کہا اُستانی آج حکم ہو تو

حسن آرا کہانی پڑھیں۔ یہ سن کر سب کو حیرت ہوئی۔

اُستانی جی۔ ہاں۔

محمودہ۔ حسن آرا بیگم کئی جینے مجھ سے چپکے چپکے پڑھتی تھیں۔ اب عبارت پڑھنے

ملتی ہیں۔

اُستانی جی۔ شروع میں ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے پڑھنے کو کہا تھا میں نے اس خیال سے روک دیا کہ ان کا شوق خوب تیز ہونے سے شروع کر اڑوں پھر انہوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا میں سمجھی ابھی ارادہ نہ ہوگا۔ محمودہ جناب اُسی دن انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ماشاء اللہ ایسا ذہن ہے کہ میں نے تو نہیں دیکھا ایک دن میں تو انہوں نے ساری الف بے پہچان لی تھی اور کچھ ایسا حافظہ خدانے دیا ہے کہ جو پڑھا بس پتھر کی لکیر۔

## غیرت اور غور

اُستانی جی حسن آرا بگیم محمودہ سے تمہارے پڑھنے کا حال سن کر میں بہت خوش ہوئی اور اتنی تھوڑی مدت میں جو تم نے عبادت پڑھ لینے کی استعداد حاصل کی میں سب لڑکیوں کے رویہ و تم کو اس کی شاباش دیتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ محمودہ سے چھپ کر پڑھنے کا یہ سبب ہوا ہے کہ تمہاری غیرت نے چھوٹی لڑکیوں کے رویہ و جو کتابیں پڑھتی ہیں الف بے پڑھنا پسند نہیں کیا میں تمہاری اس غیرت پر آفریں کہتی ہوں۔ غیرت آدمی کو خدانے اسی واسطے دی ہے کہ وہ نیک کاموں میں اس سے مدد لے غیرت سستی اور کاہلی کا نازیبا ہے۔ غیرت سے شوق کو تیزی اور ارادوں کو پائیداری حاصل ہوتی ہے۔ غیرت ہمارے حق میں امداد الہی اور تائید غیبی ہے۔ مشکلوں پر غالب آنے اور دقتوں کو رفع کرنے کے لیے غیرت ایک عمدہ ہتھیار ہے۔ غیرت محنت کو راحت اور تکان اور آسائش دیتی ہے۔ غیرت ہمارے دلوں کی توانائی اور ہماری جانوں کی قوت ہے۔ غیرت وہ تیر ہے

جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ غیرت وہ تدبیر جس کا نتیجہ ہمیشہ کامیابی اور فتح مندی ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے مزاج غیور ہوں اور اقبال مند ہیں وہی جو غیرت مند ہوں حسن آرا بیگم ہزار خوبیوں کی ایک خونی تم میں یہ غیرت ہے۔ اسے لڑ کیوں تم سب اس کا اہتمام کرو کہ تمہاری غیرتیں ماند اور مدھم نہ ہونے پائیں۔ حسن آرا بیگم! یہ دو تین مہینے جو تم نے پڑھنے میں صرف کیے تم خود سمجھ گئی ہو گی کہ تمہاری عمر کا یہ بہت چھوٹا سا حصہ کیسا عمدہ تھا۔ ایسے ایسے نہیں معلوم کتنے تم نے باتوں اور نیند میں ضائع کر دیئے اور اگر اس وقت کی طرح ان کو بھی کام کی باتوں میں لگائیں تو کیا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا ہوتا۔ افسوس آدمی وقت پر قابو پا کر اس کو اگارت کرے۔ حسن آرا بیگم اب تم نے اس نیک کام کو شروع کیا ہے تو شدی سے اس کو ختم تک پہنچاؤ۔ وہ شخص جو شوق کرتا ہے مگر ناتمام اور ارادہ کرتا ہے مگر ناقص اس سے زیادہ بُرا ہے جو بالکل بے شوق ہے بڑی شرم کی بات ہے کہ جن لوگوں نے تمہارا پڑھنا سنا وہ کبھی یہ بھی سنیں کہ حسن آرا بیگم نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے حسن آرا بیگم کسی آدمی کو اپنی نادانی کی انتہا معلوم نہیں جس کو جتنا آتا ہے وہ اس چوہے کی طرح جو ٹہری کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے آپ کو عطار خیال کرتا ہے بڑا عام خیال کرتا ہے۔ اور تھوڑی سی معلومات پر فخر کیا کرتا ہے عجب نہیں کہ تم کو بھی اپنی حالت پر ناز ہو کہ جو کتاب سامنے آجائے میں پڑھ سکتی ہوں۔ اور سب کچھ مجھ کو آگیا۔ خبردار! ہرگز ہرگز ایسا خیال اپنے دل میں مت آنے دینا۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ دریاٹے علم کی تھا کسی نے نہیں پائی۔ عبارت پڑھ لینے کو علم نہیں کہتے یہ تو علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ علم میں وہ باتیں ہیں جو کتابوں میں

لکھی ہیں حساب، جغرافیہ، تاریخ، اخلاق، طبیعات، طب، صرف نحو، منطق، ہندسہ، ریاضی وغیرہ حسن آرا بیگم بہت چیزوں کے جاننے اور بہت چیزوں کے پڑھنے اور بہت کتابوں کے جاننے سے چنداں فائدہ نہیں ہے، تمام تر علموں کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ہر ایک چیز کی اصل اور ہر ایک بات کی تہ کو دریافت کرے تم شروع سے سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو کوئی چیز جو دیکھو اس کی حقیقت اور کوئی بات جو سناؤ اس کی وجہ سوچتی جاہے جو چیزیں ہم رات دن دیکھتے ہیں کچھ ایسی سرسری نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا ان سے بالکل بے خبر ہیں۔ پانی، ہوا، آگ، درخت، غلہ، کپڑا، زیور، برتن بلکہ ضرورت اور خانہ داری کی سب چیزیں آسمان ستارے کبھی کسی نے غور کیا ہے کہ کیا ہیں اور جنہوں نے کیا تو سمجھا کہ ایک ایک چیز بجائے خود ایک علم ہے۔ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

برگ درختاں بستر و نظر پوشیار

ہر ورقے دفتر لیست معرفت کردگار

غرض ذہن کو غرض و فکر کی عادت رہے اور عقل کو تفتیش کا روگ لگ جائے یک من علم را وہ من عقل باید کا یہی تو مطلب ہے ورنہ طوطے کی طرح پڑھا بھی تو کیا۔ کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا۔ ہاں صاحب اب کہا فی شروع ہوا پھر حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا دو چار جملوں تک تو زبان لڑکھرائی مگر پھر تو صاف پڑھنے لگے

مسیح الملک کی باقی حکایت، اس کا بعد معزولی

حج کو جانا اور اس کی بیٹی ناز پروردہ کا جس نے

امیر نزاریوں کی طرح تربیت پائی تھی بدوؤں

کے ہاتھ میں ہوشمند کنیز کے ساتھ گرفتار ہونا اور

اس حالت بے ہمہری سے تکلیف پانا اور ہوشمند

کی کوشش سے رہا ہونا

مسیح الملک کی شامت جو آئی بیٹی کا بیاہ کرنے اٹھے پہلا کام تھا پاس و پیش کچھ نہ  
سوچا لوگوں کے حق مار کر زور و ظلم سے جو کچھ جمع کیا تھا سب خرچ کر ڈالا۔ بلکہ  
ہزاروں کا قرضہ سر کر لیا اور نام و نمود کے پیچھے مرے شادی کے سامان دیکھ کر  
جہاں پناہ کو بدگمانی ہوئی اور ستم رسیدوں کو کہنے سننے کا موقع ملا۔ غرض دفتر شاہی  
سے نام کٹ گیا نام کا کٹا تھا کہ قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کیا۔ متوسلان شاہی  
ناراض تو تھے ہی راہ میں چلتے پھرتے آواز سے کہنے لگے۔ مسیح الملک سے سوا اس  
کے اور کچھ نہیں پڑی کہ کعبۃ اللہ جائیں، نو سو چوسے کھا کے بتی حج کو چلی سفر کا نام  
سن کر نو کروں چا کروں نے ٹکا سا جواب دیا گھر کے لونڈی غلام کنٹی کاٹ گئے  
اتنی بڑی بھڑ میں سے صرف ایک کنیز ہوشمند نام ساتھ ہوئی اس کو حکیم صاحب

کی چھوٹی ناز پروردہ کے ساتھ کھیلنے اور ہم عمری کی وجہ سے بڑی محبت تھی اور اسی تعلق سے اُس نے ناز پروردہ کی رفاقت اختیار کی۔ ہوشمند تھی تو کینز زادی مگر بڑی عقلمند اور صاحب شعور تھی۔ مگر اس کی عقل آزادی چاہتی تھی اپنی حالت کو ناپسند کرتی اور جی جی میں غور کرتی کہ گھر میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک تو خود گھر والے جن کو سب طرح کا آرام اور اختیار حاصل ہے۔ دوسرے نوکر کہ یہ لوگ گھر والوں کی شہل اور خدمت نوکرتے ہیں مگر خاطر خواہ اپنی مزدوری لیتے ہیں اور جو نوکری سے ناخوش ہوتا ہے۔ تو چھوڑ کر چل دیتا ہے تیسرے ہم لوگ ہیں جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں۔ ہماری محنت اور مصیبت کی کچھ انتہا نہیں نہ ہم چھوڑ کر کہیں جاسکتے ہیں۔ نہ کچھ تنخواہ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ سب میں ہم ہی کم بخت گئے گذرے ہوئے ہیں۔ ہوشمند اس کے سبب کی تفتیش میں تھی کہ آخر میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کی پاداش میں مجھ کو عمر قید ہے بہتر سوچتی کچھ پتہ نہیں چلنا تھا دو ایک مرتبہ اس نے قصد کیا کہ ہم جنسوں میں اس کا تذکرہ کرے مگر کسی کو اس دل و دماغ کا نہ پایا۔ وہ لوگ سب کے سب اسی قدر عقل رکھتے ہیں کہ کسی دن کام زیادہ پڑ گیا یا ماسے پیٹے گئے تھوڑی دیر کو روٹے دھوئے پھر ویسے کے ویسے۔

۵ چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل گئی

مگر ہوشمند تو ہمیشہ اپنے تئیں لیے رہتی تھی مارنا بیٹنا کیسا کوئی سخت بات بھی کہتا تو ہمیں اس پر صدمہ رہتا ہر وقت اپنی حالت اس کو پیش نظر رہتی اور اسی وجہ سے سدا اُو اس رہا کرتی تھی اکیلی ہوتی تو کبھی اپنی مصیبت پر رو بیا کرتی آزادی کا تصور اس کے ذہن میں ایسا سمایا تھا کہ کوئی چیز اس کو خوش نہ آتی اور جس قدر ہوشمند آزادی کی خواہشمند تھی اسی قدر گھر والوں میں ذلیل تھی۔ خصوصاً ناز پروردہ اس کی دماغ داری سے نہایت جلتی اور کہا کرتی تھی لونڈی ہو کر اس کے یہ دماغ ہیں جھونپڑوں

میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا۔ ہوشمند نے اپنے ذہن میں چپکے چپکے اپنی نسبت  
یہ تحقیق کیا کہ چورانوسے کے قحط میں اس کی ماں کو اس کا نانا دور روٹیوں پر بیچ گیا  
تھا اس وقت اس کی ماں چھ سات برس کی تھی جب بڑی ہوئی تو حکیم صاحب سے  
کسی اپنے غلام سے نکاح کر دیا یہی ہوشمند ایک لڑکی ہوئی تھی کہ ماں باپ دونوں  
مر گئے ہوشمند کو جب یہ حال دریافت ہوا تو دل میں کہنے لگی کہ البتہ اس گھر کا مجھ پر  
بہت بڑا احسان ہے کہ مجھ کو اور میری ماں کو پرورش کیا۔ مگر نہ سے حق پرورش سے یہ  
لازم نہیں آتا کہ تمام عمر کے لیے ایسی ذلت اور مصیبت میں رکھی جاؤں حق پرورش جیسا  
مجھ پر ویسا ہی گھر کے بال بچوں پر۔ پس کیا سبب کہ میں بڑی ہو کر لونڈی رہوں اور  
یہ لوگ برابری کے درجہ میں سمجھے جائیں یہی نہ کہ میرا نانا قحط میں دور روٹیوں کا حاجتمند  
تھا اور اس وقت دور روٹیاں دے کر ان لوگوں کو میرے نانا کی مدد کرنی فرض تھی۔  
دنیا میں اس سے بڑھ بڑھ کر لوگ سلوک کرتے ہیں لیکن کوئی کسی کو غلام نہیں بنا لیتا  
اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ نانا نے میری ماں کو بیچ کیوں کر دیا۔ ضرور میری ماں ان کی بیٹی  
تھی۔ مگر کسی کو کسی کے بیچ دینے کا اختیار تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ غرض اسی طرح  
کے بیسیوں منصوبے ہوشمند کے ذہن میں بھرے تھے۔ جب حکیم کا نام بگڑا اور سب  
لونڈی غلام شتر بے ہمار کی طرح چلتے پھرتے نظر آئے ہوشمند کی نسبت بھی کسی کو اطمینان  
نہ تھا بلکہ سب کے بعد اس کا ٹھہرا رہنا اور کار و خدمت میں پہلے سے زیادہ مستعد ہونا  
ہر ایک کو موجب حیرت تھا آخر جب روانگی میں دو دن رہ گئے تو ناز پر وہ نے خود  
کہا کہ کیوں ہوشمند وہ آزادی جس کی تمنا مجھ کو برسوں سے تھی اب یہ وقت ہے۔  
بسم اللہ جہاں جی چاہے چلی جا۔ ہوشمند نے کہا البتہ میں آزادی کی بڑی قدر کرتی ہوں مگر  
اس کا مطلب نہیں تھا کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں آپ سے جدائی اختیار کروں دنیا  
میں اس گھر کے سوا مجھ کو کسی سے تعلق نہیں اگر اس بگڑے وقت میں میری جان



بھی آپ کے کام آئے اور حق تک اور حق پرورش ادا ہو جائے تو مجھ کو اس کے صرف کہنے میں بھی انشاء اللہ دریغ نہ ہوگا۔ غرض حکیم صاحب بی بی اور چھوٹی بیٹی اور ہوشمند کو ساتھ لے بیٹی پیچھے اور یہاں جو اہر پیش بہا جو پاس تھے بیچ سامان ضروری اور نقد روپیہ جہاز میں رکھ سولہویں دن جدے میں جا داخل ہوئے حج کو ابھی بہت توقف تھا یہ صلاح ہوئی کہ چلو پہلے مدینہ شریف ہو آئیں۔ راہ میں بدوؤں نے آگھیرا مال و متاع ذرا ذرا کر کے لوٹ لیا ہوشمند اور ناز پروردہ دونوں کو جابر بدوی پکڑ کر لے گئے اور گھر لے جابی بی کے حوالے کیا تو ان دونوں کو لونڈی بنا کر اور گھر کی ٹہل خدمت ان سے لوجب ریحانہ اور ضمیر ان کا نکاح کر دیں گے تو یہی لونڈیاں ان کے جہیز میں دیں گے۔ بیچاری ناز پروردہ کے حق میں تو محنت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ گھر چھوٹا دیں چھوٹا ماں باپ چھوٹے عزیز و لیگانہ چھوٹے بیگم سے لونڈی بنی اور اس پر طرہ یہ کہ لونڈی بھی بنی تو کھسی اور ذیل جابر کے چھا لیا کترنی نہ تھی پان بتانے نہ تھے ورنہ شاید قہر و ریش بر جان در دیش ناز پروردہ کو بھی گزری۔ یہاں تو بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کو چرانہ پانی پلانا دودھ دوہنا گھر کا پینا پکانا یہ کام تھے۔ سو ان میں کوئی بھی ناز پروردہ کے بس کا نہ تھا ناز پروردہ کو دن رات رونے سے کام تھا اس کی مصیبت کو دیکھ دیکھ ہوشمند کا کلیجہ بھی منہ کو آجاتا تھا۔ دو چار دن کو کسی نے ان سے پوچھا کچھ نہیں جابر اپنی بیٹیوں سے شاید ان کے بائے میں کچھ کہتا سنتا ہو وہ انہوں نے سمجھا نہیں ناز پروردہ تو روتی ہی رہی مگر ہوشمند نے گھر کے کام کاج میں ہاتھ لگانا شروع کر دیا۔ ایک دن جابر اپنی بی بی سے باتیں کرتا تھا اور ناز پروردہ کی طرف آنکھیں نکال نکال دیکھتا بھی جاتا تھا۔ ہوشمند سمجھی کہ اب اس کو ناز پروردہ کا رونا اور کام نہ کرنا ناگوار ہے۔ ڈری اور ناز پروردہ سے جا کر کہا کہ تقدیر کا جو لکھا تھا سو ہوا اور جو کچھ اور لکھا ہے۔ ہوگا مگر رونے سے کیا پانچ پانچ چھ چھ دن ہوئے

وانہ اب تک آپ کے منہ میں نہیں گیا آنکھیں تمام سوچ گئی ہیں۔ ذرا دل کو مضبوط کیجیے۔ یہ کہنا تھا کہ ناز پرورد اور بھی بے اختیار ہو کر رونے لگی تھوڑی دیر بعد ہوشمند نے کہنا شروع کیا کہ رونا کچھ آج تھوڑا ہی ختم ہوا جاتا ہے یہ تو عمر بھر کا روگ لگا جیٹیں گے تو بہتر ارور میں گے۔

ناز پرورد۔ کیا کروں دل ہے کہ اُٹھا چلا آتا ہے اندر سے۔  
ہوشمند۔ سچ ہے مصیبت ہی مصیبت ہے جتنا رنج کیجیے تھوڑا ہے مگر میں کہتی ہوں اس کا انجام کیا ہوگا۔

ناز پرورد۔ میں اسی طرح اپنی جان دوں گی۔  
ہوشمند۔ اے کاش جان کا دینا اپنے اختیار میں ہوتا تو بھلی ہی بات نہ ہوتی مجھ کو مرنا قبول ہے مگر آپ کی تکلیف دیکھنے کا یارا نہیں۔  
ناز پرورد۔ عشق پہ عشق تو مجھ کو آنے ہی لگے ہیں دو ایک دن میں جان بھی نکل جائے گی۔

ہوشمند۔ سب کچھ تو ہوا مگر خدا نے اس وقت تک بے حرمتی نہیں کی اب مجھ کو اس کا بھی کھٹکا ہے۔

ناز پرورد۔ دیہ سن کر چونک پڑی اور پوچھا کیا  
ہوشمند۔ وہ بدو جو ہم کو پکڑ لایا ہے اس کا نام جابر ہے آج وہ اپنی بی بی سے باتیں کر رہا تھا اور آپ کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھتا جانا اس کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔

ناز پرورد۔ تم کو کیا معلوم ہوا کہ وہ کیا چاہتا ہے آج یہ پہلا موقع تھا کہ ناز پرورد ساری عمر میں ہوشمند سے تم کہہ کر بولی۔

ہوشمند۔ میرے قیاس میں وہ یہی چاہتا ہے کہ آپ رونا دھونا موقوف کر کے کام

کاج کریں۔ یہ کہنا تھا کہ ناز پروردہ پھر بے تاب ہو گئی اور بہت دیر کے بعد  
سنبھل کر کہنے لگی کہ اگر میں اس کی مرضی کے موافق نہ کر دوں گی تو یہی ناکہ مجھ  
کو مار ڈالے گا سو میں خود جان دینے کو موجود ہوں۔

ہوشمند۔ مرنے پر آپ سے زیادہ میں دلیروں مگر وہی خوف ہے کہ شاید اس نے  
جان سے نہ مارا اور کچھ بے حسرتی کی۔

ناز پروردہ۔ پھر کیا کرنا چاہیے؟  
ہوشمند۔ سنگ آمد و سخت آمد اٹھا چاہیے۔

ناز پروردہ۔ تم جانتی ہو مجھ کو کوئی کام کرنا نہیں آتا۔  
ہوشمند۔ کام تو میں کر لوں گی صرف آپ میرے ساتھ چلتی پھرتی رہیے۔  
ناز پروردہ۔ کیا یہاں سے رہائی کی کوئی تدبیر ہے؟  
ہوشمند۔ کون تدبیر ہے۔

ناز پروردہ۔ رات کو چھپ کر بھاگ چلیں۔  
ہوشمند۔ اجنبی ملک اجنبی لوگ نہ شہروں کے نام معلوم نہ کہیں کی راہ معلوم پاؤں  
میں چلنے کا بوتہ نہیں کہاں بھاگ کر جاسکتے ہیں۔

ناز پروردہ۔ ابا کی کچھ خیر نہیں۔  
ہوشمند۔ کچھ نہیں۔

ناز پروردہ۔ یہ جابر تو ضرور جانتا ہوگا۔  
ہوشمند۔ بے شک مگر پوچھے کون۔ اول تو اس کی بولی نہیں آتی دوسرے وہ کچھ  
اس طرح کا سخت مزاج آدمی معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی بیٹیوں کا اس کی  
صورت دیکھنے سے دم فنا ہوتا ہے۔ ڈر کے مارے سامنے تک  
تو جاتی ہی نہیں۔

ناز پروردہ۔ عورتوں میں کوئی بھلی مانس ہے؟  
 ہوشمند۔ ابھی کیا معلوم مگر بڑی بیسی ضمیران کچھ ملنسار معلوم ہوتی ہے وہ جب  
 ہم لوگوں کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی نگاہ میں ایک رحم پایا جاتا ہے۔  
 ناز پروردہ۔ چلو اسی سے اپنی مصیبت بیان کرتے ہیں۔

ہوشمند۔ کس زبان میں؟

ناز پروردہ۔ کچھ اشاروں ہی سے اُس کو سمجھائیں۔  
 ہوشمند۔ ابھی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

ناز پروردہ۔ زبان کے نہ جاننے سے کیسی خرابی آتی ہے۔

ہوشمند۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ زبان کا نہ جانتا اس وقت ہم کو بیت خانہ دے رہا ہے  
 اول تو اگر ہم کوئی کام ان لوگوں کی مرضی کے مطابق نہ کر سکیں تو نہ سمجھنے کا  
 عذر معقول ہے دوسرے میرے اور آپ کے ارادے ان پر ظاہر نہیں ہو  
 سکتے یہ تکلف ہم لوگ باتیں کیا کریں ان کو خاک خیر نہیں ہوتی۔

ناز پروردہ۔ جابر کی بی بی اور بیٹیاں تو اپنے ہاتھوں سب کام کراتی ہیں اب کیا یہ لوگ  
 سب کام ہمارے سر ڈال کر الگ ہو جائیں گے۔

ہوشمند۔ نہیں یہ تو ان لوگوں میں ایک بڑا عمدہ دستور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ  
 لونڈی غلاموں کو کام اور کھانے اور کپڑے اور سب باتوں میں گھر والوں کے  
 ساتھ برابر رکھتے ہیں۔ غرض ہوشمند کی ڈھارس دلانے سے ناز پروردہ بھی اٹھنے  
 بیٹھنے لگی مگر کام کی عادت تو کبھی ہی نہیں اُس پر سے دل غمزہ کچھ ہوتا ہوا مانا تھا  
 اور بے سلیقگی کے سبب نئے جس کام کو ہاتھ بھی لگاتی خراب کرتی جابر کے  
 گھر والے اس کو نری احمق اور نری کام چور جانتے تھے وہ تو ہوشمند ہر ایک  
 کام میں اس کی شریک ہو جاتی تھی اس سے ناز پروردہ کا پردہ ڈھکا چلا گیا

در نہ خدا جانے کیا نوبت ہوتی ہو شہنشاہ اپنی ہڈیاں پیلتی اور اکیلے دم پر تمام  
 مصیبت جھیلتی مگر ناز پر درودہ کی تکلیف گوارا نہ کرتی اور جہاں تک ہو سکتا  
 ہے اس کو کسی کام میں ہاتھ نہ لگانے دیتی جاہر بدوی کے گھر جا کر ناز پر درودہ  
 کو اپنی ساری حقیقت کھل گئی ہو شہنشاہ کے ساتھ اپنی حالت کا مقابلہ کرتی تو  
 آپ اپنی نظروں میں تھوڑی ہو کر رہ جاتی اب اس نے جانا کہ جن لوگوں کو  
 نظر حقارت سے دیکھتی تھی واقع میں وہی بڑے کام کے تھے اور میں ہی بڑی  
 نکمٹی بے مصرف دوسروں کی محتاج اور دوسروں کی دست نگر ہوں اب اس  
 نے سمجھا کہ آزادی کیا چیز ہے اور دوسروں کی لونڈی ہو کر رہنا کتنی بڑی  
 تکلیف کی بات ہے۔ اب اس کو ہو شہنشاہ کی قدر آئی کہ آزادی کی تمنا اس کو  
 بے جا تھی اس پر بھی یہ غنیمت تھا کہ جاہر کے گھر یہ دونوں ایسی ذلیل نہیں  
 جیسی خود اس کے اپنے گھر کی لونڈیاں یہاں تو جس طرح ضمیران اور ریحانہ  
 جاہر کی دونوں بیٹیاں رہتی تھیں اسی طرح ناز پر درودہ اور ہو شہنشاہ تھیں کھانا  
 ایک کپڑا ایک سب کام برابر یہ نہیں کہ دی لکھنؤ کی بیگموں کی طرح جاہر کی  
 بی بی بیٹیاں پلنگوں پر لہری بیٹھی رہیں اور ہل کر پانی نہ پیش کچھ ایک جاہر پر  
 کیا موقوف تھا اس ملک کا دستور ہی ایسا ہے کیسے ہی بڑے امیر کیوں نہ  
 کام کرتا عار نہیں سمجھتے۔ جاہر تھا تو لیٹر انگریزوں شمال تھا سوانٹ تولدو تھے  
 ہزار کے قریب بھیر بکریاں چل رہی ہوں گی یہی اس کا دھن دولت تھا اور جو  
 کیسی برس دو برس میں کچھ لوٹ ہاتھ لگ گئی تو وہ علاوہ بائیں ہمہ اس  
 کی اور اس کے گھر والوں کی زندگی نہایت سادگی اور بے تکلفی کے  
 ساتھ تھی۔ ہر شخص سیر حشیم انسان نواز۔ سخی۔ دلیر۔ محنتی، جفاکش،  
 وعدے کا سچا اور قول کا پکا ہر چند یہ کہ سب باتیں مدت تک

ناز پروردہ کو عجیب معلوم ہوتی رہیں مگر چونکہ سب میں نیکی کا پرہ تو تھا رفتہ رفتہ ناز پروردہ ان کو پسند کرنے لگی اور ہوشمند سے کبھی کبھی کہا بھی کرتی کہ یہ جنگلی بدو گو وحشی ہیں مگر بہت باتیں میں ان میں شہر والوں سے بہتر پاتی ہوں۔

ہوشمند۔ ایک بات تو مجھ کو بھی اس ملک کی بہت پسند آئی وہ یہ کہ عورتوں کی اس طرف زیادہ قدر ہے۔

ناز پروردہ۔ آخر اس کا سبب کیا معلوم ہوتا ہے۔

ہوشمند۔ ایک تو یہ عورتیں اپنی رلے سے شادی کرتی ہیں اب دیکھیے ضمیر ان کی باتیں ادھر ادھر سے آتی ہیں اور ضمیر ان بے تامل ان میں گفتگو کرتی ہے۔

ہمارے ہندوستان میں ادل تو لڑکیوں کو ایسی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں کہ ان کو ایسی باتوں کی تیز سہی نہیں ہوتی۔ اور جو لڑکی بڑی عمر کی بھی ہو جائے تو اپنی شادی میں وہ کچھ بول نہیں سکتی اس کو بے حیائی قرار دے رکھا ہے۔ دوسرے عورتوں کی زیادہ قدر ہونے کا ایک بڑا سبب سے

اور وہ یہ کہ نکاح کے بارے میں جیسی آزادی مردوں کو ہے ویسی ہی عورتوں کو ہے۔ مرد یہاں کئی کئی نکاح کرتے ہیں عورتوں کا بھی یہی حال ہے۔

طلاق یہاں عیب نہیں۔ دوسرا نکاح عورتوں کو یہاں منع نہیں۔ عذر کا حال آپ کو معلوم ہے یہ جابر سے ساتویں جگہ ہے اور پھر دیکھئے تمام گاؤں میں ساری

بیبیاں عذر کی کیسی عزت کرتی ہیں۔ نکاح کا تعلق اس ملک میں ایسا قوی

تعلق نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے ہیں

مرد ناخوش ہوا فوراً طلاق دے دی عورت ناراض ہوئی جھٹ سے خلع

کر لیا۔ پھر اب یہ نہیں کہ طلاق ہے تو کوئی اس کو عیب لگائے نہیں اس

کے ہزاروں خواہاں سینکڑوں اُس کے طالب۔ ہمارے ہندوستان میں مردوں نے اپنی آزادی تو قائم کر رکھی جس کو مقدور ہوا دو دو تین تین چار چار بیٹیاں کر لیتے ہیں۔ عورتوں پر قید ہے کسی حالت میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتیں۔ اس سبب سے مرد کے مقابلے میں عورت بہت دینی ہوئی ہے۔ اس اشار میں ضمیر کا نکاح بھی ٹھہر گیا۔ مغیرہ ان بدوؤں کا ایک سردار تھا اس کے بیٹے ثابت سے قرار پائی۔ جابر کے گھر تو بڑی خوشیاں ہونے لگیں مگر ہوشمند اور ناز پروردہ کے غم پھر تازہ ہو گئے کیونکہ جابر اسی نیت سے ہوشمند اور ناز پروردہ کو لایا تھا کہ اپنی بیٹیوں کے جہیز میں دے سوا ہوشمند اور ناز پروردہ کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کا وقت آ پہنچا۔ جابر نے ضمیر ان کو اختیار دیا کہ ہوشمند اور ناز پروردہ سے جس کو چاہے پسند کرے۔ ضمیر ان نے ہوشمند ہی کو لیا۔ ضمیر ان مزاج کی ایسی نیک تھی کہ اگر ہوشمند کہتی سنتی تو وہ اس کے عوض ناز پروردہ کو لے لیتی مگر یاد جو وہیکہ ناز پروردہ کی جلائی نہایت شاق تھی۔ ہوشمند نے ضمیر ان کے ساتھ اپنا ہی جانا مناسب سمجھا اس واسطے کہ اتنی مدت جابر کے یہاں رہی اور کسی وقت فکر آزادی سے غافل نہ تھی مگر کوئی سبیل نہ نکلی ہر چند کوئی وجہ اُمید کی نہ تھی مگر ہوشمند کا دل اندر سے خود بخود گواہی دیتا تھا کہ مغیرہ کے گھر جا کر ضرور کوئی صورت رہائی کی نکلے گی اور اُس اُمید کو ہوشمند نے اس طرح وثوق کے ساتھ ناز پروردہ کے رویہ پر بیان کیا کہ اس کی بھی تسلی ہو گئی۔ ضمیر ان کا بیابہ ہوا تو وہ بھی سادہ اور بے تکلف شہری نکاح تھا۔ اور مہمانی اور جہیز کا سامان بھی اتنا مختصر کہ اگر جابر دہلی یا لکھنؤ میں ایسا مقدور رکھ کر یوں بیٹی کا بیابہ کر لیتا تو دنیا تھری تھری کرتی غرض ضمیر ان ماں باپ سے رخصت ہو کر مغیرہ کے گھر آئی ہوشمند ساتھ تھی



تھوڑے دنوں کے بعد کیا اتفاق ہوا کہ ہوشمند ثابت اور ضمیر ان کو کھانا کھلاتی تھی۔ ثابت کے ہاتھ پر جو ہوشمند کی نگاہ جا پڑی تو اس کو بعینہ اسی طرح انگوٹھی پہنے دیکھا جیسی حکیم صاحب پہنے رکھتے تھے تاہم یہ خود سے دیکھتی رہی وہی حلقہ وہی نگیں ایک ایک دو دو دفعہ موقع پا کر ثابت کے سونے کی حالت میں بھی ہوشمند نے اس انگوٹھی کو دیکھا۔ اور اچھی طرح یقین کر لیا کہ ضرور انگوٹھی سے حکیم صاحب کے ہاتھ کی۔ اب اس بات کے درپے ہوئی کہ یہ انگوٹھی ثابت تک کیونکر پہنچی بدوڑ سے لڑاکے ہوتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ضمیر ان کو سسرال گئے ہوئے تیسرا یا چوتھا مہینہ تھا کہ دفعہ میغرہ کے یہاں لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں اور اس نے یہ صلاح کی کہ عورتوں کو شیخ بصرہ کے گھر پہنچا دے یہ ایسی بات نہ تھی کہ ہوشمند کو اس کی وجہ معلوم کرنے میں کچھ وقت ہوتی تھوڑی ہی تفتیش سے یہ امر دریافت ہوا کہ میغرہ بدوڑوں کے ایک بڑے گروہ کا سردار ہے اور وہ لوگ جہاں کہیں لوٹ مار کریں میغرہ کو گھر بیٹھے عشرہ یعنی دسواں حصہ بھیج دیتے ہیں۔ پانچ سال حج سے پہلے مدینے کی راہ ہند کا قافلہ لوٹا گیا تھا۔ اور اس لوٹ میں شہاد نامی میغرہ کے گروہ کا ایک شخص بھی شریک تھا اس نے لوٹ میں سے جس قدر حصہ پایا تھا اس کے عشر کے عوض ایک انگوٹھی جو ثابت کے ہاتھ میں تھی میغرہ کو دی اور چند روز ہوئے میغرہ کو یہ خبر پہنچی کہ شہاد میر قافلہ کو بھی پکڑ لایا تھا اور اس کو غلام بنانا چاہا وہ شخص پیر مرد تھا اس نے کہا کہ میں ضعیف ہوں کار و خدمت کے لائق نہیں مجھ کو غلام بنانے سے تجھ کو کیا حاصل ہوگا تب اس سے یہ شرط کی کہ تو مجھ کو ہزار درہم دے تو چھوڑ دوں وہ پیر مرد ہندی طبیب تھا چنانچہ اس نے

کچھ اپنے پیشے سے کمایا اور کچھ اپنے ہوطنوں سے لیا اور ہزار درہم شداو کو  
 دیئے مغیرہ نے اس ہزار درہم کا عشر شداو سے مانگ بھیجا شداو نے اس ہزار  
 درہم سے انکار کر دیا۔ مغیرہ کو یہی خبر ملی تھی کہ وہ طبیب ہندی ہنوڑ مکہ میں  
 ہے اس نے اپنے دوست شریف مکہ کی معرفت دریافت کرایا تو ہزار درہم  
 کا بلنا صحیح تھا۔ مغیرہ نے عشر کے لیے تنگ طلبی کی۔ اب تو ہوشمند کو حکیم صاحب  
 کا ٹھیک ٹھیک پتہ مل گیا۔ نہایت خوش ہوئی اور جی میں کہنے لگی ہائے پر  
 ہوتے تو اسی وقت آکر جاتی اور ناز پر دروہ کو خوشخبری سنانی حقیقت حال  
 فتنے کے ساتھ ہوشمند دل میں منصوبے کرنے لگی کہ حکیم صاحب مکے میں ہیں تو  
 وہاں سال در سال ہر طرف سے آدمی حج کو جاتے ہیں کہلا بھیجنا کوئی مشکل نہیں  
 مغیرہ اور شداو میں جو لڑائی ہونے والی تھی حج کے دن قریب آجانے کی وجہ  
 سے وہ بھی ملتوی ہو گئی۔ ہوشمند نے تحقیق کیا تو متوکل نامی ایک معلم مغیرہ  
 کے گاؤں کارہنے والا ہندی لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم کے لیے ہر سال  
 مکے میں جایا کرتا تھا یہ شخص ایک طرح کا مجاور تھا۔ ایللم میں جہاز سے  
 اترتے اترتے ہندیوں کو جالیا اور دس بیس کو حج کرادیا انہوں نے اس  
 خدمت کے صلے میں جو کچھ دے دیا یہی متوکل کی معاش تھی۔ متوکل بڑا نیک  
 دل اور خدا پرست آدمی تھا اور بدو اس کے زہد و صلاح کے بڑے معتقد  
 تھے خصوصاً مغیرہ ہوشمند جو کچھ مغیرہ کے گھر سے باقی اپنا پیٹ کاٹ کر  
 متوکل کے گھر دے آتی۔ رفتہ رفتہ جب ہوشمند نے متوکل سے اچھی طرح تعارف  
 پیدا کر لیا اور اس کی دیانتداری اور امانت پر اس کو اعتماد ہو گیا تو اس  
 نے متوکل سے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک حاجت ہے۔ وہ یہ کہ آپ مکے  
 جائیے تو شریف مکہ کے پتے سے ایک ہندی طبیب مسیح الملک کا پتہ لگا

کر اٹھان سے کہہ دیجئے گا کہ ناز پر درود نے جو بھر العرب میں جا بردوی کے پاس ہے آپ  
 کو سلام کہہ دیا ہے۔ متوکل نے بہت وثوق کے ساتھ وعدہ کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا یہ پیغام میں  
 ضرور ضرور مسیح الملک تک پہنچا دوں گا غرض کہ جانے کے ساتھ متوکل نے مسیح الملک کو ڈھونڈنا  
 تو جلدی سے پتہ مل گیا اس واسطے کہ مسیح الملک خود شریف مکہ کے ہاں معالجتھے جوں ہی  
 مسیح الملک نے ناز پر درود کا نام سنا یہ اختیار لکھتے انہوں نے متوکل کو چونکہ خدا پرست آدمی تھا۔  
 مسیح الملک کو روٹے دیکھ کر پوچھنے لگا کہ اگر اُس کی مصیبت میں مجھ سے کچھ  
 مدد ہو سکے تو انشاء اللہ تعالیٰ میں دریغ نہ کروں گا۔ تب مسیح الملک نے اپنے  
 لہٹے جانے اور قید رہنے کا قصہ بیان کر کے کہا کہ ناز پر درود مجھ ہی کم بخت  
 کی بیٹی ہے آپ مجھ کو صرف اپنی تدبیر بتا دیجیے کہ اس کی رہائی کی عمدہ  
 تدبیر کیا ہے۔ متوکل نے کہا تمام عرب اگرچہ خود سر ہے مگر چونکہ شریف مکہ  
 کا ادب کرتے ہیں اگر شریف ساعی ہو تو آپ کی بیٹی کی رہائی بہت سہل ہے۔  
 مسیح الملک یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فوراً شریف مکہ سے جا کر عرض حال  
 کیا۔ شریف نے اسی وقت نام لکھ دیا اور اپنا خاص خادم مسیح الملک کے ساتھ  
 کر دیا۔ مسیح الملک خادم شریف کو لے کر بھر العرب میں گئے اور ان کو شریف  
 کا نام دیا۔ جاہل نے خط پڑھنے کے ساتھ مسیح الملک کی بہت خاطر داری کے  
 ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہا مسیح الملک نے تامل کیا۔

جاہل۔ یہ امر ہرگز قرین انصاف نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی برس روز سے میرے اہل و  
 عیال میں داخل رہے اور میں اُس کے ناموس کا محافظ رہوں اور آپ کو اجنبی  
 سمجھوں غرض جاہل مسیح الملک کو گھر کے اندر لے گیا۔ ناز پر درود باپ کو  
 دیکھتے ہی دوڑ قدموں سے پٹ گئی اور جدائی کے حالات جو دونوں کو یاد آئے  
 تو بیٹی باپ دونوں ایسی ڈارٹھیں مار مار کر روئے کہ جاہل کے گھر بھر کے دل

ہل گئے۔

وہ رورو کے اس طرح دونوں ہلے

کہ جس طرح ساون سے بھادوں ہلے

ناز پروردہ نے تھمتے کے ساتھ اپنی ماں کی خیریت پوچھی۔

مسیح الملک۔ تمہاری مفارقت میں زندہ درگور ہے پھر ہر ایک نے اپنی اپنی

مصیبت کا تذکرہ کیا۔ مسیح الملک پر متوکل سے ناز پروردہ کا سلام اور پتہ

سن کر ایک شادی مرگ کی حالت طاری ہو گئی تھی اُس وقت اُس نے متوکل

سے کچھ اور نہیں پوچھا اس واسطے کہ مسیح الملک کو اس وقت ہوشمند کلا حال

معلوم نہیں تھا بلکہ جب اُس نے ہوشمند کو ناز پروردہ کے پاس نہیں پایا تو

یہ جانا کہ شاید وہ کہیں اور ہو گی۔ ناز پروردہ نے مسیح الملک سے پوچھا

کہ یہ میرا پتہ آپ کو معلوم کیوں کر ہوا؟

مسیح الملک۔ مجھ سے متوکل نامی ایک معلم نے تمہارا سلام اور پتہ بیان کیا۔

ناز پروردہ۔ میں متوکل کے نام سے بھی واقف نہیں شاید خدائے تعالیٰ نے میری

مصیبت پر رحم کر کے رجال الغیب میں سے کسی کو آپ کے پاس بھیجا ہو یا

ہوشمند یہاں تھی اُس نے کسی سے تذکرہ کیا ہو مگر مجھ کو معلوم نہیں۔

مسیح الملک۔ ہوشمند بھی تمہارے ساتھ تھی۔

ناز پروردہ۔ شروع سے وہ تو آب پانچواں مہینہ ہے کہ جابر کی بیٹی ضمیران کے

چہیز میں دی گئی اور اس کے ساتھ روانہ ہوئی۔

مسیح الملک۔ ضمیران کہاں بیسی گئی ہے؟

ناز پروردہ۔ یہاں سے چھ یا سات منزل کوئی مقام عمرانہ ہے وہاں مغیرہ کے

بیٹے ثابت سے۔

مسح الملک۔ متوکل کا سخت عجب ہے۔

نازیر پروردہ۔ فی الواقع جابر سے پوچھیے شاید کوئی شخص بحسب العرب میں اس نام کا ہو۔ مسح الملک نے جابر سے پوچھا تو اس نے کہا یہاں تو نہیں عمرانہ میں ایک معلم ہے تب تو مسح الملک اور نازیر پروردہ کو یقین ہوا کہ اس کی ربانی میں ہوشمند نے تحریک کی ہے۔ تب نازیر پروردہ نے ہوشمند کی وفاداریاں اور اس کے احسان اور لہجوں سب مسح الملک سے بیان کیں مسح الملک نے دل میں کہا ہرگز اقتضائے حمیت و مردت نہیں ہے کہ میں نازیر پروردہ کو لے جاؤں اور ہوشمند کی ربانی میں سعی نہ کر دوں اس نے یہ سوچ کر عمرانہ جانے کا ارادہ کیا اور جابر سے منزلوں کا حال پوچھنے لگا جابر نے کہا آج شام تک ایک قاصد عمرانہ سے آنے والا ہے اس سے ٹھیک معلوم ہوگا گھڑی بھر رات گئے قاصد آیا اور ہوشمند بھی اس کے ساتھ تھی مسح الملک کو دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا۔ مسح الملک نے پوچھا تو حال بیان کیا کہ متوکل جو حج سے واپس آیا تو میں نے اپنے پیام کا حال اس سے پوچھا معلوم ہوا کہ آپ بٹے اور چھوٹی بیگم کی ربانی کی تدبیر ہو گئی اور شریف کا نام لے کر آپ بحسب العرب روانہ ہوئے۔ متوکل نے مجھ سے آپ کا ماجرا پوچھا کہ تو نے اپنی ربانی کی کچھ فکر نہ کی میں نے جواب دیا کہ مجھ کو ربانی کی ضرورت نہیں میں تو جنم کی کینز ہوں جن کو ضرورت ہے خدا ان کو نصیب کرے۔ متوکل کو نہیں معلوم کیا سو بھی اور کیا مغیرہ سے کہا۔ غرض مجھ کو آزاد کر دیا میں نے کہا کہ میں یہ احسانی نہیں لے سکتی تا وقتیکہ اپنی بی بی کو آزاد نہ دیکھ لوں یہاں قاصد آنے والا تھا مجھ کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یوں خدا نے نازیر پروردہ اور ہوشمند دونوں کی ربانی کی اور مسح الملک ہنسی خوشی دونوں کو ساتھ لے جابر سے رخصت

ہوئے مسیح الملک نے ہوشمند کو بیٹی اور ناز پروردہ نے اس کو بہن بتایا۔ کہانی ختم ہوئی تو سب لڑکیوں نے تعریف کی کہ سبحان اللہ بڑی عمدہ اور بڑے مزے کی کہانی ہے ہزار آفرین ہوشمند کی وفاداری پر۔

حسن آرا۔ عرب میں تو لوگ حج کرنے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں درینداری کا پھر چا زیادہ ہے پھر بدوؤں نے ان بیچاروں کو ناحق کیوں لوٹا اور یہ انہی بہو بیٹیوں کو پکڑ کر کس طرح لوٹا دیا۔  
استانی جی۔ کلثوم تم نے عرب کا جغرافیہ عرب کی تاریخ بہت کچھ پڑھی ہے وہاں کا حال تو حسن آرا بیگم کو سناؤ۔

## عرب کا جغرافیہ اور بدوؤں کے حالات

کلثوم۔ عرب ایک ویران ملک ہے۔ اس کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بہت کم ہے۔ صد ہا کوس سے ریگستان پڑے ہیں جن میں نہ پانی ہے نہ درخت نہ گاؤں نہ بستی۔ اگر عرب میں مکہ مدینہ نہ ہوتا تو کوئی عرب کی طرف منہ بھی نہ کرتا اور ملکوں میں جو لوگ جاتے ہیں تو آخر کسی غرض سے جاتے ہیں کہیں غلے کی افراط ہے کہیں میوے کی کثرت کہیں جو اہرات پیدا ہوتے ہیں غرض کوئی چیز نایاب یا کثرت سے اس ملک میں ہوتی ہے کہ اس کی ضرورت لوگوں کو پہنچ جاتی ہے سو عرب میں صرف خدا کا نام ہے نہ غلہ نہ میوہ نہ جو اہرات نہ کچھ نہ کچھ۔

محمود ۵۔ کیوں عرب کے ادنیٰ عرب کے گھوڑے تمام جہان میں نامی ہیں۔ اونٹ تو بھلا خیر ہندوستان میں بیکانیر کی طرف پورب کے ملک میں بھی ہوتا ہے مگر گھوڑے جیسے عرب میں عمدہ اور بیش قیمت ہوتے ہیں کسی ملک میں نہیں ہوتے۔

کلثوم۔ آپ نے درست کہا عرب میں گھوڑے بڑے نفیس ہوتے ہیں مگر گھوڑا ایسی عام ضرورت کی چیز نہیں عرب میں تجارت کے لیے لوگ بہت کم جاتے ہیں۔ البتہ حج کے لیے ہر سال اطراف و جوانب سے لاکھوں آدمی مکہ میں جمع ہوتے ہیں اور بعض دیندار لوگ ہجرت کر کے پھر عرب میں جا رہے ہیں۔ وہاں کے اصل باشندے بددہ ہیں جن کا نہ کوئی شہر ہے۔ نہ گھریہ لوگ اس ملک کے کتھڑوں کی طرح خانہ بدوش ہوتے ہیں گھر کی جگہ چرمی خیموں میں رہتے ہیں بال بچے مویشی ساتھ لیے پھرتے جہاں پانی قریب ہو اور مویشیوں کا چارا یا بارہ پڑے جب پانی گھاس کی تکلیف ہونے لگی دوسری جگہ جا رہے۔ لوٹ لکسوٹ ان لوگوں کا موروثی پیشہ ہے ہر سال حج کے دنوں میں دو چار کھڑور قافلے لوٹ لیتے ہیں۔

## عام جغرافیہ مختصر

حسن آرا۔ کیوں بوا کلثوم! یہ سب حال تمہنے کس کتاب میں پڑھا۔ کلثوم۔ جن کتابوں میں شہروں اور ملکوں کا حال لکھا ہوا ہے۔ ان کو علم جغرافیہ کی کتابیں کہتے ہیں۔ اس علم میں بہت سی کتابیں ہیں مگر حال میں بابو یسینی پرشاد صاحب نے "جام جہاں نما" ایک کتاب لکھی ہے۔ بڑی اچھی کتاب ہے۔

حسن آرا۔ تمام روئے زمین کے شہروں اور ملکوں کا حال اس میں ہے۔



کلتھوم۔ بے شک تمام روئے زمین کی مختصر کیفیت بھی اُس کتاب کے پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے مگر ایشیا اور خاص کر ہندوستان کا حال تو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

حسن آرا۔ ایشیا افریقہ کے نئے نئے لفظ سُننے میں آتے ہیں۔ نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کا مطلب میں خوب نہیں سمجھتی۔ محمودہ۔ میں آپ کو سمجھا دوں جس طرح مکان میں ہر ایک حصے کا کچھ نام رکھ لیتے ہیں۔ غسل خانہ، آبدار خانہ، باورچی خانہ، توستے خانہ، بالاخانہ، صحن غلام گردش ساٹھان، اصطبل خانہ، پائیں باغ، شہ نشین، دالان کوٹھری وغیرہ۔ اسی طرح زمین کے حصوں کے نام رکھ لیے ہیں جو حصہ سمندر کے پانی میں ڈوبا ہوا ہے اس کو بڑی یا بکرا عظیم کہتے ہیں اور جو پانی سے کھلا ہے اس کو برآ عظیم بکرا عظیم کے بھی ٹکڑے کر لیے ہیں۔ لال سمندر، کالا سمندر، ہند کا سمندر شمالی جنوبی سمندر۔ انہیں ٹکڑوں کے نام میں خشکی کے دو حصے ہیں۔

بڑا پُرانی دنیا اور چھوٹا نئی دنیا؟

حسن آرا۔ نئی پُرانی کیسی دنیا؟

محمودہ۔ نئی دنیا کا حال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا اب کوئی چار سو برس سے معلوم ہوا کہ یہاں بستی ہے نئی دنیا کو امریکہ کہتے ہیں اُس کے دو ٹکڑے ہیں شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ۔ ہم لوگ پُرانی دنیا میں رہتے ہیں۔ اس کے تین ٹکڑے ہیں۔ ایشیا۔ یورپ، افریقہ، ایشیا میں ہندوستان، چین، افغانستان، عرب، ایران، توران وغیرہ ہیں۔ یورپ انگریزوں کا ملک ہے اور افریقہ جیشیوں کا۔ مجمل حال تو یہ ہے اور مفصل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر آپ نقشہ دیکھئے تو خوب سمجھ میں آئے ہاجرہ ذرا وہ کتاب تو دو جس میں

نقشے ہیں۔ محمود نے باجرہ سے کتاب لے کے پہلے کرہ زمین کا نقشہ حسن آرا کے روبرو پھیلا دیا اور کہا دیکھو یہ تمام زمین کی تصویر ہے۔

## کرہ زمین کا نقشہ مع حالات عامہ

حسن آرا۔ تم تو کہتی تھیں زمین گول ہے یہ جلتی کے دو پاٹ الگ کیسے ہیں۔  
محمودہ۔ ان دونوں کو جوڑ کر مزید میں مٹی یا کچھ اور چیز بھر دو تو ٹھیک زمین کی صورت بن جائے ایک مٹی کا گول بنا کر اس پر موقع سے ملکوں اور سمندروں اور پہاڑوں اور ندیوں کے نشان بنا دیتے ہیں۔ وہ خوب ہوتا ہے اس کو کرہ کہتے ہیں ہمارے یہاں کا کرہ فراش خانہ کے مدرسے کی آسانی جی نے منگوا بھیجا ہے وہ ہوتا تو اس سے خوب سمجھ میں آتا مگر خیر اسی نقشہ میں دیکھیے کہ نیلی پیلی لال سبز لکیروں سے جو جگہ گھری ہے وہ تو خشکی ہے باقی جو جگہ آب خالی دیکھتی ہیں وہ تمام سمندر ہے۔

حسن آرا۔ اچھی! ہر چار طرف سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا ہے۔  
محمودہ۔ بے شک میں نے آپ سے کہا تھا کہ تین حصہ کے قریب سمندر ہے اور ایک حصہ کے قریب خشکی۔

حسن آرا۔ بھلا یہ کنکھجوں کی طرح کیا بنا ہے۔  
محمودہ۔ پہاڑ ہیں۔

حسن آرا۔ امریکہ میں پہاڑوں کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔  
محمودہ۔ واقعی۔

حسن آرا۔ اور یہ لہریں دار لکیں کیا ہیں؟  
محمودہ۔ دریا ہیں۔

حُسن آرا۔ ہماری دلی اس نقشے میں کہاں ہے؟

محمودہ۔ دلی اس میں نہیں ملے گی ایک بالشت میں تمام زمین ہے اس میں اتنی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ تمام شہروں کے نام لکھے جائیں۔ ورنہ نقشہ ایسا گچ پتھر سے ہو جاتا کہ پڑھا بھی نہ جاتا۔ مگر دیکھیے ہندوستان موجود ہے۔

حُسن آرا۔ ایک بڑا کٹکھجورا یہاں بھی چل رہا ہے۔

محمودہ۔ ہاں یہی ہمالیہ پہاڑ ہے جس میں کشمیر ساٹھ شملہ، منصورہ لندھورہ نئی تال وغیرہ مقامات واقع ہیں۔ جہاں گرمی کے دنوں میں انگریز جاکر رہا کرتے ہیں۔

حُسن آرا۔ بھلا یہ دکن کی طرف ایک بندہ کیا لٹک رہا ہے۔

محمودہ۔ ہندوؤں کی لتکا جس کے قصے کی نقل رام لیلاد سہرے میں بناتے ہیں۔ یہ ایک پاٹو ہے۔

حُسن آرا۔ خالی میدان میں جو رنگین نقطے نقطے دیئے ہیں کیا ہیں؟

محمودہ۔ چھوٹے چھوٹے ٹاپو۔

حُسن آرا۔ ٹاپو کیا؟

محمودہ۔ چاروں طرف سمندر پچ میں اونچی زمین جس پر آدمی بستے ہیں۔

حُسن آرا۔ ٹاپوؤں کے رہنے والے کہیں آتے جاتے کیوں کہ ہوں گے۔

محمودہ۔ کشتیوں اور جہازوں پر۔

حُسن آرا۔ دونوں سرور پر نہ آبادی کا نشان ہے نہ سمندر کا یہ کیا بات

ہے؟

محمودہ۔ زمین کے دونوں سرے قطب کہلاتے ہیں ایک شمالی دوسرا جنوبی

آج تک کوئی وہاں پہنچ نہیں سکا غضب کی سردی ہے۔ سمندر مارے

سردی کے جم گیا ہے۔

حُسن آرا۔ کیا تمام روئے زمیں پر سردی گرمی کیساں نہیں۔  
 محمودہ۔ ہرگز نہیں۔ بیچ میں جو یہ لکیر کھینچی ہوئی ہے اس کو خطِ استوا کہتے ہیں  
 اس پر آفتاب کی کرنیں سیدھی پڑتی ہیں اور اس بلا کی گرمی ہے کہ سمندر ہے  
 تو کھول رہا اور زمین ہے تو جلتے توے کی طرح تپ رہی ہے۔ اس خط سے  
 جتنی دور چلو اترے تو یاد رکھیں کہ اسی قدر گرمی سردی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں  
 تک کہ قطبوں پر حد درجہ کی سردی ہے۔

حُسن آرا۔ یہ تو آپ نے بڑی عمدہ بات بتائی تو انگریزوں کا ملک ہمارے ملک کی نسبت  
 بہت سرد ہوگا اور افریقہ گرم۔

محمودہ۔ تم بہت درست سمجھیں واقعی ایسا ہے۔

حُسن آرا۔ جتنی شاید گرمی ہی کے سبب بہت کالے ہوتے ہیں۔

محمودہ۔ آدمی تین رنگ کے ہوتے ہیں کالے گورے اور تانبے کے رنگ کے۔  
 سرد ملکوں کے رہنے والے گورے ہوتے ہیں گرم کے کالے اور امریکہ والوں  
 کا رنگ تانبے کا سا ہوتا ہے۔

حُسن آرا۔ سردی گرمی کے اعتبار سے ہمارا ملک بیچ کی راس ہے اور ملک والے  
 بھی یہیں آ رہتے ہیں۔

محمودہ۔ جو جس ملک میں پیدا ہوا ہے وہ اسی کو پسند کرتا ہے۔ خداتے ان کی  
 ویسی ہی طبیعت پیدا کی ہے اور ان کو ضرورت کی چیزیں اسی ملک میں  
 بہ آسانی میسر آتی ہے۔

## ایشیا، یورپ، افریقہ کے نقشہ جات

حُسن آرا۔ بھلا اس کتاب میں اور نقشے کیسے ہیں؟

لاجرہ۔ یہ نقشہ تمام زمین کا تھا۔ اس سے آگے صرف ایشیا صرف افریقہ صرف  
یورپ صرف شمالی امریکہ صرف جنوبی امریکہ کے ہیں پھر ایشیا میں جتنے ملک  
ہیں، ہندوستان عرب چین افغانستان وغیرہ سب کے الگ الگ  
نقشے ہیں اسی طرح ضلعے اور پرگنے اور گاؤں اور مکان کے نقشے ہوتے ہیں۔  
حسن آرا۔ یہ کیا بات ہے تمام زمین کا نقشہ تو چھوٹا اور ہندوستان کا بڑا۔  
محمودہ۔ یہ تو پیمانے کا فرق ہے۔ پرگنے کا نقشہ بڑے پیمانے کا ہوتا ہے یعنی  
مثلاً ایک میل کا ایک انچ ضلع کا نقشہ اگر اتنے پیمانے پر بنائیں تو مکان میں  
نہ سمائے اس واسطے پیمانہ چھوٹا کر دیتے ہیں چارہ میل کا ایک انچ اور  
ہندوستان کے اس نقشے میں پانچ سو میل کا ایک انچ ہے۔ اور کرہ زمین  
کے نقشے میں پچاس میل کا ایک انچ ہے۔ نقشہ ایک تصویر ہے اور اس  
کا چھوٹا بڑا بنا لینا اپنے اختیار میں ہے۔

حسن آرا۔ اگر پرگنے کا پیمانہ رکھیں تو تمام زمین کا نقشہ خدا جانے کتنا بڑا۔  
قطب صاحب تک تو پھیل جائے۔

محمودہ۔ عجب کیا ہے۔

## سمندر کے منافع

حسن آرا۔ سمندر تو خدا نے ناحق ہی بنایا تمام زمین خشک ہوتی۔ آدمی ادھر سے  
ادھر چلتے پھرتے جہاں تک چاہتے بستے بساتے۔

استانی جی۔ یہ بڑا کفر کا کلمہ ہے تو بہ کر و توبہ۔ دنیا میں کوئی چیز بے فائدہ  
اور بے مصالحت نہیں ہے اور خدا کے جتنے کام ہیں سب عقل اور حکمت  
سے بھرے ہوئے ہیں۔ آدمیوں نے اتنا غور کیا مگر اس کی حکمت کا ایک شکر

بھی سمجھ پایا۔

حُسن آرا۔ (کلوں پر سولے سولے طمانچہ مار کر) اسے سے میری توبہ ہے۔ الہی توبہ  
مگر اُستانی جی ذرا سمندر کے فائدے مجھ کو بتائیے۔

اُستانی جی۔ میں دو چار فائدے جو مجھ کو معلوم ہیں بتاؤں گی لیکن انسان ایسا

ضعیف العقل ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کا فائدہ سمجھنے سے قاصر ہے تو اس

کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اپنے قصور فہم کی وجہ سے انتظام الہی عقل انسان

کے لیے ایک کسوٹی ہے۔ جب عقل کوئی بات خلاف انتظام الہی سوچتی ہے

تو یہ دلیل غلطی عقل ہے۔ سمندر کے فائدوں میں تم کو شک ہے تو لو سنو! ایک

فائدہ تو یہ ہے کہ سمندر سے لاکھوں روپے کے بیش بہا موتی نکلتے ہیں جو ہم

عود توں کے لیے موجب زینت ہیں۔ سمندر میں لاکھوں قسم کی مچھلیاں ہوتی

ہیں جن کو آدمی کس خواہش سے کھاتے ہیں مچھلیوں کی چربی جلانے کے کام

آتی ہے بلکہ بعض مچھلیوں کا تیل بہت سی بیماریوں کی دوا ہے سمندر میں مچھلیاں

اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ تم سنو تو حیران ہو جاؤ۔ ایک قسم کی مچھلی وہیل ہوتی ہے

سینکڑوں گز کی لمبی چوڑی ہزاروں من کی وزنی یعنی بجائے خود جہاز کا جہاز

پھر سمندر میں مال کے لدے ہوئے بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں اگر اتنا مال

خشکی کی راہ لے جائیں تو بڑی محنت بڑی دیر اور بڑے خرچ اگرچہ جہاز

دخانی سمندر اور بڑے دریاؤں میں اسی طرح چلتا ہے جیسے خشکی میں

ریل مگر صد ہا جہاز صرف ہوا کی مدد سے چلتے ہیں اور ہوا موافق ہو تو

سینکڑوں کو س ایک دن میں نکل جاتے ہیں۔ یہ تھوڑے فائدے ہیں اور

فائدے تو فائدے سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی ہی نہ ہو۔

حُسن آرا۔ جناب لاکھوں آدمی ہیں جنہوں نے سمندر کی صورت بھی نہ دیکھی۔ بلکہ

شاید نام بھی نہ سنا ہو۔

استانی جی۔ یہ میں نے کب کہا کہ دیکھتے اور نام کے سُسنے پر موقوف ہے میں نے

یہ کہا کہ سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی ہی نہ ہو۔

حُسن آرا۔ مہر بھٹی فرما کر مجھ کو اس کی وجہ سمجھا دیکھیے۔

استانی جی۔ وجہ تو ظاہر ہے کھانے کے انواع و اقسام کے غلے سب مینہ سے

پیدا ہوتے ہیں اور مینہ سمندر سے آتا ہے۔

حُسن آرا۔ آبا! کبھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ بادل سمندر میں پانی پینے جاتے ہیں۔

استانی جی۔ جی کہنا تو غلط ہے مگر مینہ ضرور سمندر سے آتا ہے۔ رابعہ تم نے ابھی

چند روز ہوئے مینہ، اداس، کبر، قوس قزح، بجلی اور اولوں کا حال پڑھا

ہے۔ حُسن آرا بیگم کے رو برو تو بیان کرو۔

## مینہ، بجلی، بادل وغیرہ اور روشنی اور ہوا کی رفتار

رابعہ۔ گرمی کی وجہ سے سمندر اور دریاؤں اور ہر ایک گیلی اور سیلی چیزوں سے

بھاپ نکلتی ہے اور چونکہ سمندر کا پانی ہزاروں کوس میں پھیلا ہوا ہے سب سے

زیادہ بھاپ سمندر سے اٹھتی ہے اس بھاپ کا نام بادل ہے جو ہلکی ہونے

کے سبب ہوا پر جا کر آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ کی نظر آتی ہے

یہ بھاپ بلندی پر پہنچ کر خشکی پاتی اور مینہ بن کر برستی ہے اور کبھی خشکی کی

وجہ سے جم کر اول ہو جاتی ہے۔

حُسن آرا۔ مینہ تو وہ بھاپ ہوئی جو سردی پا کر پانی بن گئی تو بجلی وہ بھاپ ہوگی

جو آگ بن جاتی ہوگی۔ اوپر کی خشکی بھاپ کو پانی تو بنا دیتی ہے مگر کیا اس

آگ کو نہیں بجھا سکتی؟



رابعہ نے تامل کیا۔

محمودہ۔ کوئی چیز گرمی سے خالی نہیں یہاں تک کہ بھی ہوئی برف میں بھی گرمی رہتی ہے اور دو چیزوں کو آپس میں گھسنے اور رگڑنے سے یوں بھی گرمی پیدا ہو جاتی ہے یہ ستارہ جو ٹوٹتا ہے ہوا کی گرمی کوئی تحریک پا کر بھڑک اٹھتی ہے اور اس قاعدے کو نہ جاننے سے لوگوں نے بڑے بڑے دھوکے اٹھائے ہیں۔ قبرستانوں اور مرگھٹوں اور پرانی عمارتوں اور باغوں اور جنگلوں میں جو بھی ہوا بھڑک اٹھتی ہے لوگ جانتے ہیں بلا ہے۔ بجلی اور وہ چیزیں ایسی برابر رکھی جا دیں جن میں سے ایک میں زیادہ گرمی ہو اور دوسری میں کم تو زیادہ گرمی والی چیزوں میں زیادہ گرمی ہو جائے گی مثلاً ٹھنڈے سے پانی میں ہاتھ ڈالو تو ہاتھ کی گرمی پانی میں جائے گی یہاں تک کہ دونوں میں یکساں گرمی ہو جائے گی اور ٹھنڈی دیر کے بعد پانی کی ٹھنڈی ہاتھ کو محسوس نہیں ہوتی اس کی یہی وجہ ہے اسی طرح سے جس بادل میں گرمی زیادہ ہوتی ہے وہ پاس کے گرمی والے بادل میں زور سے جاتی ہے اس کا نام کرٹک ہے جس کی آواز ہم لوگ سنتے ہیں۔

حسن آرا۔ ٹھنڈے پانی اور ہاتھ کی مثال جو آپ نے دی اس میں تو ہم کو ہاتھ سے آگ نکلنے نظر نہیں آتی مگر بجلی میں تو ایسی آگ ہوتی ہے کہ اسکھ چندھیا بنے لگتی ہے۔

محمودہ گرمی سے آگ بن جانا کون تعجب ہے پتھر کو پتھر پر مارو چنگاریاں جھڑتی ہوئی نظر آئیں گی خیر انسانی مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے وطن میں ایک مرتبہ آندھی آئی۔ بانسوں کی رگڑ سے جھٹکل میں اس بلا کی آگ لگی کہ تمام

نیستان جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔

حسن آرا۔ بجلی تو زمین پر بھی گر کر آتی ہے۔ اس کا سبب۔

اُستانی جی۔ جب بادل زمین کے قریب ہو نزدیک ہونے کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

حُسن آرا۔ کیا یہ بادل آسمان میں نہیں ہوتے؟  
اُستانی جی۔ اکثر میل دو میل سے زیادہ اونچے نہیں ہوتے اور پہاڑوں پر تو گھروں میں بادل گھستے پھرتے ہیں بیٹھے ہیں کہ لیکایک کہہ کر کی طرح دو حواں سا ابھرا تھوڑی دیر بعد چاندنا ہوا تو دو حواں نثار دپانی میں تہہ تہہ۔  
حُسن آرا۔ بجلی تو بڑی آفت ہے کچھ اس کی روک بھی ہے میں نے جہاں کر ٹک کی آواز سنی اندر بھاگ جاتی ہوں۔

اُستانی جی۔ آواز کے سُننے سے پہلے بھاگنا تو بے وقوفی ہے۔ بجلی گرتی ہے تو آواز پہنچنے سے پہلے گر چکتی ہے ہوا کی نسبت روشنی کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے تم نے کاہے کو دیکھا ہو گا غدر کے دنوں ہم لوگ کوٹھے پر سے بادے کی توپوں کو دیکھتے تھے کہ رنجک کی چمک پہلے نظر آتی تھی اس کے چند لمحہ بعد توپ کی آواز سن پڑتی تھی یہی حال بعینہ بجلی اور کر ٹک کا ہے خوب دھیان لگنا کہ جب چاہو آزما لو پہلے چمک نظر آتی ہے اس کے تھوڑی دیر بعد کر ٹک کی آواز سنائی دیتی ہے اور بجلی کے روک کی جو تم نے پوچھی تو ہاں عقلمندوں نے اس کی تدبیر بھی نکالی ہے۔ بجلی تھی تو نقصان کی چیز عقل کے زور سے اسی کو فائدہ مند کر لیا۔ تار برقی کا نام تم نے سنا ہے۔

حُسن آرا۔ ہاں دو چار مرتبہ بڑے ابا کے پاس سے سنا کہ تار میں خبر آئی۔  
اُستانی جی۔ دیکھو انگریزوں کی ولایت پانچ ہزار کوس دور ہے۔ مگر تار کے ذریعہ سے چار پانچ گھنٹے میں خبر آ جاتی ہے۔ یہ سب بجلی کے کھیل ہیں۔  
حُسن آرا۔ روک کی نسبت آپ نے کچھ فرمایا۔

اُستانی جی۔ وحات کی چیزیں لوہا۔ تانبا، پتیل وغیرہ بجلی کو کھینچتی ہیں بیگزینوں میں بارود کی حفاظت کے واسطے بجلی کی روک تھام کرنی پڑتی ہے چھتوں کے پہلو میں لوہے کی سلاخیں گاڑ دیتے ہیں کہ بجلی گہرے تو سلاخوں کی راہ زمین میں چلی جائے۔ میرے پاس ایک رسالہ ہے جس میں تاریخ برقی کا سب حال لکھا ہے اُس میں بجلی کے عجیب عجیب خواص لکھے ہیں جب تم زیادہ پڑھ لو گی تو اُس کو دیکھنا۔

## انگریزوں کا حال

دُحسُن آرا۔ انگریز بھی بڑے عقل کے پتے ہیں۔  
 اُستانی جی۔ قوم کی قوم کا یہی حال ہے۔ عقل کے پتے نہ ہوتے تو کالے کوسوں آکر بادشاہ کس طرح بن بیٹھے۔ ذرا انگلستان کی تاریخ پڑھو تو تم کو معلوم ہو کہ ابتدا ان لوگوں کی کیا تھی۔ نرے وحشی تھے جانوروں کو مار کر گوشت کھانے اور چمڑا پہنتے۔ پہاڑوں کی کھوپڑیوں میں رہتے کھلتی پاڑی اور مکان بنانے تک عقل نہ تھی۔ رومیوں کی سلطنت تھی انہیں سے انگریزوں نے عقل و سلیقہ سیکھا یہاں تک کہ رومیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا اب یہ وہی انگریز ہیں کہ روسے زمین پر کوئی قوم ایسی دانشمند اور ایسی شائستہ نہیں ہے۔

حُسن آرا۔ اب تک میں یہ سمجھتی تھی کہ خدانے سب آدمیوں کو برابر عقل دی ہے۔ مگر آپ کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے ملک کی آب و ہوا میں ایک خاص تاثیر ہے کہ وہاں کے لوگ زیادہ عقل ہوتے ہیں۔ میری کتاب میں بھی کئی جگہ دانشمندانِ فرنگ آیا ہے۔ پھر اس میں دوسرے ملک والوں کا کیا دوش ہے۔

استانی جی۔ عقل واقعی خدا داد ہے مگر اس کی ترقی بے علم کے نہیں ہوتی اسی طرح جسم بھی خدا داد ہے مگر اس کی توانائی اور بالیدگی غذا پر موقوف ہے۔ عقل کی غذا علم ہے سو افسوس ہے کہ علم ہندوستان سے بالکل اٹھ گیا ہے اور جو ہے وہ جہل سے بدتر۔ ناحق کی کٹھ جھتی اور جھوٹی شاعری کے سوائے ہندوستان میں کچھ اور بھی ہے۔

حُسن آرا۔ کیا انگریز بڑے مولوی ہوتے ہیں۔  
استانی جی۔ لفظ مولوی کا استعمال تم کو اس مقام پر نہیں کرنا چاہیے مسلمان عالم مولوی کہلاتے ہیں۔ ہندو پنڈت مگر کچھ شک نہیں جو علم کا آمد ہیں انگریز سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی علم کے زور سے وہ وہ نادر کلیں ایجاد کی ہیں اور آسے دن ہوتی جاتی ہیں کہ سن کر عقل دنگ ہوتی ہے دنیا کا تمام کام کلوں سے لیا جاتا ہے۔ کلیں سوت کاتیں کپڑے بنیں اور کلیں آٹاپیس کلیں کتابیں چھاپیں کلیں باجے بجائیں کلیں لوہار بڑھائی کا کام دیں بلکہ کلیں وہ کام کریں جو آدمی سے نہ ہو سکے۔

حُسن آرا۔ کیا ان کی میس بھی اسی طرح کی عقلمند ہوتی ہیں؟  
استانی جی۔ بے شک عورتیں بھی سب کی سب بڑھی لکھی ہنرمند اور ممکن نہیں کہ مرد اس وجہ کے لائق ہوں اور عورتیں ہم کبختوں کی طرح بے علم بے ہنر حلیمہ کے ہمسائے میں ایک میم رہتی ہیں ذرا ان کا حال سنو بوا حلیمہ کہو تو۔

## ایک انگریزی خاندان کا حال اور اس کی نیک زندگی

حلیمہ۔ جناب ہمارے مکان سے ملا ہوا مکان (وہ بھی ہمارا ہی ہے) پانچ چھ مہینے ہوئے ایک میم نے کرائے پر لینا چاہا ہمارے محلہ کی بہشتن میم صاحب کے پاس آیا گری میں نوکر ہے وہی پیام لائی۔ میم کا نام سن کر اماں جان نے صاف انکار کیا کہ ہم میم کو مکان نہیں دیتے۔

بہشتن۔ بیوی دیوڑھا۔ وونا کرایہ ماہ بہ ماہ لو ایسا کرایہ وار نہیں پاؤ گی۔  
اماں جان۔ کرایہ لے کر کیا چولہے میں ڈالنا ہے دیوار بیچ تو مکان لگا ہے۔  
لڑکیوں بالیوں کی آواز برابر جاتی ہے میاں مرزا نے اپنے کارخانے کے لیے مکتیں کرتے رہے ہیں نہ دیار رکھوں گی تو کسی اشرف کو ورنہ بلا سے خالی پڑا رہنا اچھا۔

بہشتن۔ بیوی میم صاحب بھی بڑی ہی اشرف آدمی ہیں۔ ہیں تو غیر قوم، غیر مذہب مگر مجھے اپنے ننھو کے سر کی قسم بڑے ہی بھلے مانس ہیں اور پاس کے رہے سہے آپ کو حال کھل جائے گا۔ اگر میری بات میں فرق پاؤ میری تاک چوٹی کاٹ لینا۔

اماں جان بھلا ان کے یہاں انگریزوں کی آمد و رفت تو رہتی ہو گی۔  
بہشتن۔ بیوی صاحب تار گھر میں نوکر ہیں رات کو ٹونجے آتے ہیں اور صبح کو چار بجے کام پر چلے جاتے ہیں ان کی حاضری دہی جاتی ہے اور کوئی باہر کا نہ آتا ہے نہ جاتا ہے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بڑی بیٹی مس بابا اصل خیرے تمہاری لڑکی سے عمر میں تو کم ہے۔ مگر میری آنکھوں میں خاکہ ڈیل میں کوئی درد مٹھی نکلتی ہوئی ہے۔

اماں جان۔ گو باہر والوں کی آمد و رفت نہ ہو خود میم صاحب تو نکلتی بیٹھتی ہیں۔  
 بہشتن۔ صبح و شام پاپیادہ بچوں کو ساتھ لے ہوا کھانے البتہ کشمیری دروازے  
 کے باہر جایا کرتی ہیں۔

اماں جان۔ میم صاحب یا ان کے بچے ہمارے گھر میں تو چلے آیا کریں گے۔  
 بہشتن۔ بے مرضی ہرگز نہیں۔

اماں جان۔ دیکھو کچھ قباحت نہ ہو مجھ کو تو ڈر ہی لگتا ہے۔  
 بہشتن۔ بیوی کچھ شہمت کر دیر اذمہ۔ غرض کہ میم صاحب آرہی ہیں دو چار دن

اماں جان ہم سب بچوں پر آہستہ بولنے کی تاکید کرتی رہیں اور کوسٹے پر چڑھنے  
 کو بھی منع کر دیا تھا اور ہم لوگوں نے بھی اتنے دنوں میم صاحب کی طرف سے  
 آواز تک نہیں سنی اور پر پیاز پھیلی ہوئی تھی اس کے لینے کو اماں سے پوچھ  
 کر کوئی چار گھڑی دن رے میں دے پاؤں چڑھتی کیا ہوں باہر صحن میں میز  
 بچھی سے اور میم صاحب ان کے نیچے آس پاس کرسیاں بچھائے سب کے  
 سب کچھ پڑھ رہے ہیں چھت پر میرے چلنے کی دھم دھم سن کر چھوٹی لڑکی  
 نے مجھ کو دیکھ لیا اور دیکھنے ہی آپ سے آپ سلام کیا۔ اس کا سلام کرنا تھا  
 کہ سب کے سب مجھ کو دیکھنے لگے تب تو میں نے میم صاحب کو سلام کیا میم صاحب

نے نہایت مہربانی سے میرا سلام لیا۔ اور جلدی سے اٹھ چھت کے نیچے  
 آکھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ہم لوگوں نے تم سے جان پہچان پیدا کرنے میں  
 ۔ ابتدا کی ہے تم اس بات سے ناخوش تو نہیں ہوئیں۔ میم صاحب کو آئے  
 ہوئے دیکھ جی میں آیا کہ بھاگ جاؤں لیکن ان کی بات سن کر تو دل میں کچھ دلیری  
 سی آئی اور میں نے کہا ”جناب اس میں ناخوشی کی کیا بات ہے آپ سے تعارف  
 کرنا تو ہمارے لیے فخر ہے۔“

میم صاحب۔ مجھ کو ایک بات پوچھنی ہے کہ اگر تمہاری اماں جان مہربانی کر کے اپنے کوٹھے پر ذرا کے ذرا اکھڑی ہوں تو بڑا احسان کریں اپنی اماں جان سے میرا بہت بہت کلام اور پیام کہنا کہ میں نے کہا بہت خوب میں ابھی جا کر کہتی ہوں نیچے آکر میں نے اماں جان سے سب حال بیان کیا اماں جان نے بھی کچھ تامل سا کیا بار سے چلی گئیں۔

میم صاحب۔ (سلام کے بعد) میں نے آپ کو صرف اتنا پوچھنے کے لیے اتنی تکلیف دی ہے کہ اس آنے کے سوا کچھ اگر کچھ تکلیف ہم لوگوں کے رہنے سے آپ کو پہنچی ہو تو مہربانی فرما کر مجھ کو اس سے اطلاع دیجیے۔ اماں جان۔ آپ کے منہ پر کہنا تو خوشامد ہے مجھ کو تو آج تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ اس مکان میں کوئی بہتا بھی ہے یا کہ نہیں ایسا تو کوئی ہندوستانی بھی آکر نہیں رہا۔ ہم لوگوں میں کم بخت پردے کی بڑی قید ہے بس اسی کا خیال تھا۔

میم صاحب۔ ہوں تو بے شک انگریز مگر میں اسی ملک میں پیدا ہوئی اور اسی ملک میں ہوش سنبھالا۔ میں بڑے آدمی کی بیٹی ہوں۔ ماں باپ دونوں مارے گئے اکیلی رہ گئی شادی کر لی۔ خدا کے فضل سے چار بچے ہو گئے ہیں ان کی پرورش کرتی ہوں میں آپ کے دستور سے بخوبی واقف ہوں خدا نے چاہا تو کوئی بات مجھ سے ایسی نہ ہوگی کہ آپ کی اذیت کا باعث ہو۔ ہماری کتاب میں ہمسائے کے بہت بڑے حقوق لکھے ہیں سو اگر مجھ سے وہ حق نہ بھی ادا ہوتا ہم میں امید کرتی ہوں کہ میرے سبب سے آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے گی۔

اماں جان۔ آپ کے رہنے سے سراسر راحت مگر ہم لوگوں کی وجہ سے عجب نہیں



آپ کو ایذا ہوتی ہو۔ اللہ رکھے میرے بھی چار بچے ہیں مگر دن بھر آپس میں اُدھم مچائے رکھتے ہیں۔ بہتیرا گھر کتنی ہوں کوستی ہوں اور عاجز آ کر ایک طمانچہ بھی مار بیٹھتی ہوں لیکن دن بھر مجھ کو پریشان کیے رہتے ہیں سگے بھائی بہن ہو کہہ ایک کی ایک سے نہیں بنتی جب سے آپ آکر رہی ہیں ذرا امن بھی ہے میں بات بات پر رد کرتی رہتی ہوں پھر بھی کیا اثر ہوتا ہے ممکن نہیں ان کا شور و غل آپ کو تکلیف نہ دیتا ہو۔

میم صاحب۔ کیا ہوا سچے ہی تو ہیں کھیلنے کو ونے کی تو ان کی عمر ہے شہرات کیا ہی کرتے ہیں ان کے شور و غل ہی کی تو گھر میں بستی ہے۔ اماں جان۔ مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کے بچے کیوں نہیں غل کرتے۔ میم صاحب۔ کرتے ہیں مگر نہ ہر وقت۔

اماں جان۔ برائے خدا کوئی تدبیر مجھے بھی بتائیے میں ان بچوں کے ہاتھ سے سخت عاجز ہوں نہ اپنا دیکھیں نہ پرایا ان کو لڑنے سے کام ان کی وجہ سے کس نے شادی بیاہ میں جانا حکم کر دیا ہے لوگ کہتے ہیں نوج کیسی بے سری اولاد اٹھائی ہے ناحق شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

میم صاحب۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے واسطے آپ اتنا سوچ کر رہیں بڑے ہو کر آپ درست ہو جائیں گے۔

اماں جان۔ کیا بڑے ہونے کے لیے کوئی اور زمانہ آئے گا۔ اللہ رکھے نیرھویں برس میں تو یہ میری حلیمہ ہے بہتیرا کتنی ہوں تم بڑی ہو سمجھا رہو چھوٹوں کے منہ مت لگا کر وچھیر چھیر کر لڑتی ہو۔ کچھ ان دفتوں ایسے خون سفید ہو گئے ہیں نہ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب ہے نہ بڑوں کو چھوٹوں کی محبت۔

میم صاحب۔ بچوں سے کچھ آپ کام بھی لیتی ہیں۔

اماں جان۔ ہے خدا کے دیئے نوکر چاکر گھر میں ہیں ان کا یہی کام ہے کھائیں پیئیں اور کھیلیں۔

میم صاحب۔ بس یہی خرابی ہے۔ میں نے تو ہرنکچے پر اس کی بساط کے موافق اتنا کام ڈال رکھا ہے کہ اس کو اسی سے فرصت نہیں ملتی ہم سب لوگ چھوٹے بڑے چاہے کوئی موسم ہو صبح کے پانچ بجے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ ہر ایک نے غسل کیا کپڑے بدلے اور تھوڑا سا ناشتہ کھا پی چھ نکتے بکتے ہیں ان سب کو لے کر شہر کے باہر ہوا کھانے چلی جاتی ہوں اور کوئی ساڑھے سات بجے اٹھنے لگے لوٹ آتی ہوں۔ آتے کے ساتھ سب کو لے کر نماز پڑھتی ہوں پھر سبق پڑھاتی ہوں گیارہ بجے سبق سن کر کھانا کھاتی ہوں۔ اس کے بعد کوئی لگھتا ہے کوئی سینتا ہے دن کو ہم لوگ کبھی نہیں سوتے تین بجے پہلے کچھ کھا لیا پھر دوسرا سبق دیا جاتا ہے پانچ بجے پھر غسل کیا اور کپڑے بدلے ہوا خودی کو نکل گئی سات بجے واپس آئی اتنے میں صاحب آجاتے ہیں سب بچوں کا سبق سنتے ہیں اور ہر ایک کا کام دیکھتے اور پھر سب مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد کھانا کھایا سو رہے۔ فرمائیے۔ اب ان کو لڑائی کی فرصت کہاں ہے اور اگر میں ان کو آپس میں کڑتا دیکھوں تو کیا توقع رکھوں جب یہ آپس میں ملاپ نہ رکھیں تو دنیا میں دوسرے لوگوں کے ساتھ کیوں کر گزریں گے۔

اماں جان۔ سبحان اللہ آپ نے بڑا عمدہ انتظام کر رکھا ہے اور تم بھی تو تم لوگ سلطنت کر رہے ہو۔ ہم ہندوستانیوں کے یہی کام ہیں دو چار کھانوں کی ترکیب سیکھ لی اپنے ہاتھوں اپنے کپڑے سی لیے پڑھنے لکھنے کا تو دستور ہی نہیں نوکر چاکر رکھنے کا مفہور ہوا تو عہدی بن کر بیٹھے رہے۔

میم صاحب۔ ہم لوگوں میں ضرورت کی نظر سے ہنر نہیں سیکھتے بلکہ ہنر کو باعزت  
 عزت سمجھتے ہیں مجھ کو اپنے باپ کی ایک بات یاد ہے کہ جب مجھ کو انہوں  
 نے ولایت پڑھنے کے لیے بھیجا تو چچا کو چھٹی لکھ دی تھی کہ اس کو کسی اچھے  
 مدرسے میں داخل کر دینا چچا نے لکھا کہ فلا نے مدرسے میں بڑی عمدہ  
 اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی ہے مگر وہاں فیس بہت دینی پڑتی ہے۔  
 میرے باپ نے لکھا کہ دوسروں پر یہ مہینہ میں نے اس لڑکی کا حق علیحدہ  
 کر دیا ہے۔ اس میں اگر کچھ بچے گا وہ اسی کے واسطے جمع ہوتا جائے گا لیکن  
 اگر اس کا کل روپیہ اس کی تعلیم میں صرف ہو تو جمع ہونے سے ہنر ہوگا۔ کیونکہ  
 ہنر کا جمع کیا جانا روپے کے جمع کیے جانے سے کہیں مفید ہے چنانچہ مجھ کو چچا  
 نے اسی بڑے مدرسے میں داخل کیا جس میں فیس اور غیر ضروری خرچ  
 ملا کہ دوسروں پر یہ مہینہ خرچ ہو جانا تھا جب میرے باپ فدر میں ماٹ  
 گئے تو اب کہیں سہارا نہ تھا ناچار مجھ کو مدرسہ چھوڑنا پڑا ایک برس کی اور  
 کسر وہ گئی ورنہ میں ایک سال اور پڑھتی ماں باپ کے مارے جانے  
 کا رنج اور مدرسہ کی ایسی مجبوری کے ساتھ چھوڑنے کا صدمہ میں سچ کہتی  
 ہوں دونوں نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہر چند میں ناتمامی کی حالت میں مدرسے  
 سے نکلی پھر بھی شیر کی لیاقت کا چرچا دور دور تھا اور مدرسے سے نکلنے کے  
 ساتھ جب لوگوں نے جانا کہ میں شادی کرنے پر آمادہ ہوں تو سیکڑوں آدمیوں  
 نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ ہم لوگوں میں یہ بہت اچھا طریقہ ہے  
 کہ شادی لڑکا لڑکی کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے  
 کہ رضامندی آپ لوگوں کے مذہب میں بھی شرط ہے مگر میں دیکھتی ہوں کہ اس  
 کا برتاؤ کچھ بھی نہیں ہوتا اکثر بے تمیزی کی حالت میں آپ لوگ اولاد کو بیاہ

دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ لوگوں میں اکثر نرن دشوہر میں بے لطفی اور  
ناسازگاری رہا کرتی ہے جب کثرت سے لوگ خواہاں ہوئے تو مجھ کو انتخاب  
میں بڑی وقت پیش آئی۔ کبھی فخر نسب کی خواہش ہوتی تھی۔ مدرسہ کی استانی  
جو مجھ پر سگی ماں کی طرح مہربان تھیں۔ میں نے ان سے مشورہ کیا انہوں نے  
مجھ کو یہ نیک صلاح دی کہ علم لیاقت اور نیکی انسان کے بڑے جوہر ہیں  
جس میں یہ صفتیں پاؤ اسی کو اختیار کرو چنانچہ خوب سختی و تحقیق و تفتیش کرنے  
کے بعد ان صاحب کو پسند کیا صاحب بڑے عالم ہیں مدرسہ سے  
خطاب فضیلت حاصل کیا ہے اور نیک اس درجہ کے ہیں کہ یہاں کے  
سارے انگریز پادری ان کی تعظیم کہتے ہیں اور میں تو صاحب کی  
نیک مزاجی سے اس قدر خوش ہوں کہ سلطنت کی خوشی بھی اس کے مقابلے  
میں ہیچ نظر آتی ہے صاحب کی تنخواہ تو کچھ بہت نہیں صرف چار سو روپیہ  
ہی پینہ پاتے ہیں مگر جس محبت اور مہربانی سے وہ مجھ کو اور بچوں کو رکھتے  
ہیں۔ میرا منہ نہیں کہ اس کا شکریہ ادا کر سکوں۔ پندرہ برس میرے بیاہ  
کو ہوئے کسی بات میں مجھ سے رد و کد کی نوبت بھی نہیں آئی۔ بچوں کے  
ساتھ کچھ اس طرح کی مدارات ہے کہ ہر ایک بچہ دل و جان سے فدا  
ہے۔ جب کچھری سے آتے ہیں بچوں کو عید کی سی خوشی ہوتی ہے مگر مجال  
نہیں کہ کوئی ان کی خلاف مرضی بات کر سکے۔ نہ مارتے نہ گھر کتے نہ تڑترونی  
کرتے مگر کچھ ایسا دھنک کر رکھا ہے کہ محبت میں رعب پیار میں ڈر اور  
انہیں کے انتظام سے ان بچوں کی اصلاح بھی میری خاطر خواہ ہوتی جاتی  
ہے خدا کا شکر ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں سب میرے کہے میں ہیں۔ میری  
بڑنی لڑکی کا نام مس روز ہے آپ نے تو کھڑکی میں قفل لگا رکھا ہے

ورنہ میری لڑکیاں تو ایسی ملنسار ہیں کہ دن میں سو سو بار کھڑکی میں آکر کھڑکی ہوتی ہیں اور آپ کے بچوں سے ملنے کو ترستی ہیں قفل کھول دینے میں اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ایک دن آکر ذرا ہمارا گھر دیکھئے اس سے خاطر جمع رکھیے کہ سوائے میرے اور میرے بچوں کے کوئی غیر اندر نہ رہنے پائے گا۔

اماں جان۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں کسی دن حاضر آؤں گی۔ اگلے دن اماں جان

ہم سب کو ساتھ لے کھڑکی کی راہ ایم صاحب کے گھر گئیں۔ میم صاحب کے گھر میں گئے تو کیسا صاف ستھرا کہ صحن میں تنکے کا نام نہیں خانہ داری کا اسباب

اس سلیقہ کے ساتھ اپنے اپنے موقع سے رکھا تھا کہ ہم لوگوں میں شادی بیاہ میں بھی ایسی آرائش نہیں ہوتی کوئی چیز نایاب اور قیمتی تو ایسی تھی نہیں

اکثر چیزیں ایسی تھیں کہ ہمارے گھر میں بھی تھیں مگر دیاں کی چیزوں پر اور ہی کچھ رونق تھی منہ دھونے کا تسلہ کیسا صاف منجھا ہوا کہ آنکھ نہ

ٹھہرے بید کے مونڈھے کی بھی کچھ اصل سے مگر تیلیاں چمکتی ہوئی اور ایک دستکار جالی کا نفیس غلاف سادہ بن تکلف غرض جو چیز تھی صفائی کا

نمونہ تھی گھر میں جانے سے جی چاہے کہ صحن میں کھانا بکھیر کر کھا لیجئے دیاں کا سامان دیکھ کر مجھ کو یقین ہوا کہ صفائی بڑی زینت ہے میم صاحب کے

بچے اپنے اپنے کمروں میں کون لکھ رہا تھا کوئی سی رہا تھا سب نے ہم کو آنے دیکھا مگر کیا مقدور کہ بے ماں کی اجازت کے باہر نکل آئیں میم صاحب

نے ہم سب کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا ہم لوگ تو ادھر ادھر دیکھ رہے تھے اماں جان بھی کس آنکھوں سے چیزوں کو دیکھتی جاتی تھیں۔

میم صاحب۔ کیا آپ کی تو اضع کردوں پان میں نہیں کھاتی۔ عطر ہم لوگوں کا

شاید آپ کو پسند نہ ہو۔ خشک مٹھائی کا تو کچھ پرہیز نہیں ایک کنسٹرمنٹا کر  
 طشتریوں میں ہم لوگوں کے روبرو رکھ دیا ہم لوگوں نے تامل کیا۔  
 میم صاحب۔ (ہنس کر) اجی بے تامل کھاؤ اس میں تو کوئی قیاحت نہیں  
 اور یوں آپ کے مذہب میں ہمارے ساتھ کھانا جائز لکھا ہے اور روم اور  
 مصر میں کوئی مسلمان بھی اس طرح کا پرہیز نہیں کرتا۔ یہ ہندوستان کے  
 مسلمانوں نے نیا مسئلہ نکالا ہے۔

اماں جان۔ نہیں پرہیز کی کیا بات ہے مگر ابھی سب کھانا کھا چکے ہیں۔  
 میم صاحب۔ کیا ہوا آپ کچھ نقصان کا اندیشہ نہ کیجیے۔ ہم لوگوں کی مٹھائیوں  
 میں بھی دوا ہوتی ہے غرض نہایت نفیس اور لطیف مٹھائی ہم سب نے  
 کھائی اس کے بعد میم صاحب نے اپنے بچوں کو پکارا سب آجودہ گئے  
 میم صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کیا بچوں کی عقل دیکھیے کہ ہر ایک اپنی اپنی  
 بھجولی کے پاس آکر بیٹھا۔ مس روز میرے پاس آکر بیٹھیں اور پہلا سوال  
 انہوں نے مجھ سے یہی کیا کہ آپ کیا پڑھتی ہیں ان کا پوچھنا تھا کہ تجھ پر  
 گھڑوں پانی پڑ گیا اور میں نے شرمندہ ہو کر کہا کچھ نہیں مس روز نے  
 میری بات کو نہایت تعجب سے سنا اور چپ ہو گئیں پھر اپنے ہاتھ کی شانی  
 ہوئی تصویریں اپنے اپنے ہوئے قیمتی اور عمدہ سے عمدہ تکیوں اور کرسیوں  
 کے غلاف میزوں کی چادریں کپڑے کے پھول موزے کتاب میں رکھنے کی  
 نشانیاں گلوبند موباف دستی رومال جھالریں ڈوری کے کام دکھائے ہیں  
 تو میں اماں جان حیران ہو کر رہ گئیں۔ پھر میم صاحب سب کمروں میں لے  
 گئیں کتابوں کی الماری سے ایک کتاب نکال کر اپنے رشتہ داروں اور دنیا  
 کی عمدہ عمارتوں اور نامی اور مشہور لوگوں کی تصویریں دکھائیں۔ گئے تو



اس نیت سے تھے کہ ذرا کے ذرا بیٹھ کر چلے آئیں گے مگر کوئی چار گھنٹی دن  
 رہ گیا تب اماں جان نے کہا کہ آج میں نے آپ کا بڑا صرح کیا۔  
 میم صاحب۔ مجھ کو آپ کی ملاقات سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور ہرگز میرا  
 کوئی صرح نہیں ہوا۔

اماں جان۔ مگر گستاخی معاف میں آپ کے پاس سے ادا اس ہو کر چلی۔  
 میم صاحب۔ خیر ہے بات تو کہیے۔

اماں جان۔ اب اپنی حالت پر جو نظر کرتی ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے بھلا  
 یہ کوئی زندگی کا ڈھنگ ہے۔ خیر میری تو تیرگی افسوس اولاد کو بھی میں نے  
 اپنا ہی ایسا اٹھایا۔

میم صاحب۔ افسوس کی کیا بات ہے ہر ملک و ہر رسمے۔

اماں جان۔ آگ لگے اس ملک کو جس میں بستر کا نام نہیں ہم لوگ شہر میں بڑے  
 سلیقہ شعار کہلاتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ ہنر اور سلیقہ آپ لوگوں پر ختم ہے  
 غرض میم صاحب سے رخصت ہو کر گھر آئے تو جدھر آنکھ پڑتی تھی ہر چیز حقیر  
 اور بھونڈی نظر آتی تھی۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ اس رات رنج کے مارے  
 مجھ سے کھانا تک نہیں کھایا گیا۔ اگلے دن میں نے اماں جان سے کہا کہ اگر

آپ فرمائیں تو میں مس روز سے کچھ سیکھوں

اماں جان۔ بھلا بیٹی مس روز کچھ اپنے دیس کی تو ہیں نہیں کہ جان پہچان کا پاس  
 ہو۔ خدا نخواستہ کچھ محتاج نہیں کہ روپے پیسے کا لالچ کریں ان سے  
 کس منہ سے کہوں دیکھو کسی طرح ان کی ماں سے دریافت کر دوں گی۔ میں  
 نے جا کر کھڑکی کھولی تو مس روز صحن میں ٹہل رہی تھیں۔ مجھ سے پوچھا آپ  
 کہیں تو میں آپ کے گھر آؤں۔



اماں جان۔ شوق سے اماں جان نمبرس روز سے آنے کو تو کہا میں اپنے خبی  
 میں کہہ رہی تھی خدا کرے نہ آئیں۔ آئیں گی تو کہاں بٹھائیں گے۔  
 حُسن آرا۔ کیوں کیا تمہارے گھر میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ میں تو سنتی ہوں تمہارا  
 مکان بڑا عالی شان مکان ہے اور فرش فرش موندھے ہر طرح کا دافر  
 سامان موجود ہے۔

حلیمہ۔ خدا کا ویسا ب کچھ ہے۔ مگر میں میم صاحب کے یہاں جا کر دیکھ چکی  
 تھی ان کے لائق ایک چیز بھی نہ تھی ہمارے یہاں وہ صفائی اور وہ اجلا ہی کہاں۔  
 حُسن آرا۔ کچھ میم صاحب کی وقعت ہی تمہارے ذہن میں جم گئی ہے ورنہ ماشاء اللہ  
 تم بھی صاف اور ستھری رہتی ہو۔

حلیمہ۔ ہاں تم یونہی سمجھو مگر میری طرح میم صاحب کا مکان دیکھے ہوتیں تو  
 جانتیں کہ صفائی کس کو کہتے ہیں۔

حُسن آرا۔ بلا سے تم نے مس روز کے لیے سفید سوزنی بچھوادی ہوتی۔  
 حلیمہ۔ کچھ آپ کے فرمانے پر موقوف نہ تھا جلدی جلدی جو کچھ ہو سکا کیا ہی  
 مگر کس کس چیز کو چھپاتی۔ جب مس روز چلی آئیں تو میں نے باورچی خانے  
 کی طرف پشت کر کے کرسی بچھادی۔ تھوڑی دیر میں آفتاب سامنے آگیا۔  
 مس روز کرسی پھیر عین باورچی خانے کے سامنے ہو بیٹھیں اور میرا یہ حال کہ  
 ان کو برابر باتوں میں لگائے جاؤں تاکہ ادھر ادھر ان کی نظر نہ پڑے دوچار  
 باتوں کے بعد مس روز بولیں کہ میرا چی چاتا ہے کہ آپ مجھ کو بہن بنا لیجئے  
 میں نے کہا کہ بہن بننے کا تو منہ نہیں مجھ کو آپ شاگر و کیجیے اور کچھ سکھائیے  
 توڑی مہربانی ہوگی۔

مس روز۔ بہ سرد چشم۔

میں۔ کیا سکھائے گا؟

مس روز بڑھنا لکھنا تو آپ کو اپنے ملک کا سیکھنا چاہیے مس گریوز جو زمانے  
درجہ کی انسپکٹر ہیں مجھ سے (اُستانی جی کا نام لیا) اُن کے مکتب کی بہت تعریف  
کرتی تھیں۔ مگر سلائی ہر قسم کی میں سکھا دوں گی اور اس سے زیادہ مجھ کو کوئی  
خوشی نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھ سے سیکھیں۔

میں۔ آپ کی اماں جان تو اس میں کچھ مضائقہ نہ کریں گی۔

مس روز۔ مضائقہ۔ لوگ ان کے مزاج سے ابھی واقف نہیں ہیں میری والدہ ضرور  
ہیں۔ لیکن از روئے انصاف میں نے ایسی نیک عورت کوئی نہیں دیکھی۔ زیادہ  
دینے سے خود آپ کو معلوم ہوگا۔ دوسرے کے لیے میں تو جانتی ہوں شاید اپنی  
جان تک ان کو دریغ نہیں ہے آپ سے تو ہمسائیگی اور ملاقات ہے کوئی  
ہو ان کو ہمدردی کرنی ضرور۔

میں۔ آپ کی اماں جان کبھی آپ کو گھر کتنی تو نہیں۔

مس روز۔ ان کو ہر ایک طرح کا اختیار مجھ پر حاصل ہے۔ مگر خدا مجھ کو ایسی  
نافرمان بیٹی نہ بنائے کہ میری اماں جان کو گھر کئے کی نوبت آئے دنیا میں اس  
سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی کی بات ہوگی کہ میں اپنی پیاری اور مہربان  
اور خیر خواہ اور دل سوز ان کے خلاف رائے کوئی بات کروں۔

میں۔ چھوٹے بھائی بہنوں سے اور آپ سے کسی بات میں رد و کد ہوتی ہوگی اس  
وقت تو آپ کی اماں جان ضرور دخل دیتی ہوں گی۔

مس روز۔ اگر میں اپنے چھوٹوں سے رد و کد کروں تو قصہ ہے میری بڑائی پر نہیں  
اپنے سب چھوٹے بھائی بہنوں کی شکر گزار ہوں کہ وہ لوگ ہر طرح میرا ادب  
کرتے ہیں اور میں سب کو جان کی طرح عزیز رکھتی ہوں اور سب پر دم دیتی

میں۔ کیا سچ مچ تم بھائی بہنوں میں کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا۔  
 مس آرزو۔ بھائی بہن تو بھائی بہن ہم لوگوں کو تو خدا کے فضل سے غیروں کے  
 ساتھ بھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔  
 میں۔ آپ کی باتوں کو سن کر مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے ایسا تو ممکن نہیں کہ اوپر  
 تلے کے بھائی بہنوں میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔  
 مس آرزو۔ اور مجھ کو آپ سے یہ سن کر تعجب ہوا کہ بھائی بہنوں میں لڑائی کا  
 ہونا ضروری ہے۔

میں۔ اچی لڑائی کچھ خدا نخواستہ بیر نہیں۔ یہی بحث دکرارہ۔  
 مس آرزو۔ جی ہاں میں سمجھتی ہوں مگر مجھ کو حیرت ہے کہ وہ کیسے بھائی بہن  
 ہیں جو آپس میں تکرار رکھتے ہیں۔

میں۔ چھوٹے نا سمجھ کسی بات پر ضد کریں تو اس کا کیا علاج۔  
 مس آرزو۔ نرمی سے پیار کے ساتھ ان کو سمجھا دینا کہ ان سے نہ لڑنا۔  
 میں۔ اگر وہ نہ سمجھیں۔

مس آرزو۔ وہ نہ سمجھیں یا بڑا نہ سمجھے۔  
 میں۔ وہ ایک ہی بات ہے۔

مس آرزو۔ یہ تو بڑے کا قصور ہے۔

میں۔ بھلا صاحب کھانے پینے کی کسی چیز کو آپ کا جی چاہتا ہوگا۔ تو آپ کی  
 اماں جان کسی بات میں روک ٹوک نہیں کرتیں۔

مس آرزو۔ خدا کا لاکہ لاکہ شکر ہے کہ مجھ کو اپنے کھانے اور پینے کے واسطے  
 مطلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں مجھ سے زیادہ اماں جان کو میری ضرورتوں  
 کا خیال رہتا ہے اور میں دیکھتی ہوں جو چیز مجھ کو درکار ہے اور میری حالت

کے لیے مناسب ہے اماں جان بے کہے خود اس کا سامان کر لیتی ہیں پھر مجھ کو اس میں دخل دینے سے حاصل۔

نہیں۔ بھلا کسی نوکر چاکر پر آپ کو خفا ہونے کا اتفاق ہو۔  
 مس روز۔ میری اماں جان نے مجھ کو تعلیم کیا ہے کہ اگر آدمی (جس کا بال بال گنہگار اور خطا دار ہے) چاہتا ہے کہ اس کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے تو چاہیے کہ وہ اپنے زیر دستوں کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ پھر نوکروں پر خفا ہونے کا کیا موقع ہے۔

نہیں۔ تبھی اتنے دن آپ کو اس مکان میں رہتے ہوئے ہو گئے آواز تک نہیں سن پڑی۔

مس روز۔ خدا کا شکر ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اسی طرح گھر کو فل غیارے سے خالی پاتی ہوں۔

نہیں۔ کیوں صاحب کیا کسی بات پر چھوٹے بچوں کو آپ کے گھر مار نہیں پڑتی۔  
 مس روز۔ اگر خدا نخواستہ بچوں کو مارنے پیلنے کی ضرورت ہو تو سمجھیں کہ ان کی خرابی علاج سے درگزر ہی۔ مار پیٹ آخری درجہ بچوں کی سزا ہے جیسے پھانسی آخری درجہ مجرموں کی سزا کا ہے۔

نہیں۔ پڑھنا لکھنا سینا پڑنا آپ نے اپنی اماں جان سے سیکھا یا کسی دوسرے سے۔  
 مس روز۔ بہت کچھ اپنی اماں جان سے اور تھوڑا سا مدرسے میں۔

نہیں۔ پڑھنے پر بھی آپ کی اماں جان نے کبھی نہیں مارا۔  
 مس روز۔ کبھی نہیں۔

نہیں۔ (دہنس کر) آپ مجھ کو مارا کیسے گا۔

مس روز (دہنس کر) ضرور لیکن اس طرح کی مار جیسی میں نے کھائی ہے۔  
 میں۔ کب سے شروع کر ایٹھے گا۔

مس روز۔ ابھی۔

ہیں۔ آپ اپنی اماں جان سے تو پوچھ لیجئے۔

مس روز۔ میں کہہ چکی ہوں کہ ایسے کاموں میں ان سے دریافت کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

ہیں۔ کیا ہوا پھر بھی آپ احتیاطاً ان سے اجازت لے لیجئے۔ مس روز نے جیب

سے کاغذ پینسل نکال دیں بیٹھے بیٹھے ماں کو رقعہ لکھ بھیجا اسی کی پشت پر

یہ جواب لکھا آیا کہ اگر تم ہمسائی کی بیٹی کو (کہ مجھے تمہاری طرح عزیز نہیں)

کچھ سکھا سکو تو جتنی محنت تم نے ان کاموں کے سیکھنے میں کی ہے اس سے

بہتر اس کا انعام نہیں اور بے شک اگر تم بھی ہمسائی کے بچوں کو سکھانے

کی کوشش نہ کریں تو ہمارا یہاں رہنا لا حاصل محض ہے اور جیب یہاں سے

اٹھیں گے تو یہ حق اپنی گردن پر لے جائیں گے اگر تم کسی تدبیر سے ان کو

سیکھنے پر آمادہ کر سکو تو نہایت خوش ہوں گی اور میں آئندہ کی کوششوں

میں ہر طرح تمہاری شریک رہوں گی۔ غرض یہ کہ اس دن سے میں نے اس

مکتب میں آنا شروع کیا اور مس روز نہایت مہربانی سے مجھ کو سکھایا کرتی

ہیں۔ گھر بار اس طرح کانیک ہے کہ میں نے تو اس قسم کے آدمی نہیں دیکھے

جو ہی ہینہ میں تمام محلہ کو گردیدہ کر لیا ہے غربا کو چپکے چپکے بہت کچھ

ملتا ہے۔ کوئی بیمار پڑے میم صاحب پاس سے مکت دوا دیتی ہیں اور

دلجوئی ایسی کہ اپنا بھی نہ کرے ایک دن حلیمہ میری چھوٹی بہن کا جی اچھا نہ

تھا میم صاحب پہر دن رہے سے آدھی رات تک بیٹھی رہیں۔ کبھی یہ دوا

پلا، کبھی وہ دوا پلا بہتیرا اماں جان نے کہا آپ جا کر آرام کیجئے بہت رات

گزر گئی سرکیں تک نہیں جب حلیمہ سو گئی اور آرام ہو گیا تب گئیں۔ یہ بات

میں نے اُنہیں میں دیکھی اپنے اوپر مصیبت ہو تو بڑی مستقل مزاجی بڑی مضبوط  
 بڑی صابر بھول کر بھی زبان پر نہ لائیں اور دوسرے کی آنکھیں دکھتی سن  
 پائیں تو پھر ٹک اٹھیں بے تاب ہو جائیں۔  
 حُسن آرا۔ تم تو میم صاحب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی ہو لوگ تو انگریزوں کو غمو  
 بُرا سمجھتے ہیں۔

حلیمہ۔ ان کو انگریزوں سے سابقہ نہ پڑا ہوگا ہمارا بھی یہی حال تھا ڈرتے  
 ڈرتے ہم لوگوں نے میم صاحب سے ملاقات کی اور بہت دنوں تک دل  
 میں کھٹکتے رہے۔ معاملہ پڑا تو جانا۔

حُسن آرا۔ نیک ہیں تو یا ہر کیوں نکلتی ہیں۔  
 استانی جی۔ اپنی رسم اپنا دستور، پردے کا دستور مسلمانوں میں ہے اب  
 ہندو بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی عورتوں کو پردے میں چھپانے لگے ہیں۔  
 درندروئے زمین پر اور کسی قوم میں پردے کا رواج نہیں۔

## علم تاریخ کا تذکرہ اور آدمیوں کی مختلف رسمیں

حُسن آرا۔ آدمی کے ایک ذات رواج کا مختلف ہونا بڑی حیرت کی بات ہے۔  
 استانی جی۔ ایک رواج کا اختلاف۔ اسی صورت میں قدر و قامت لباس وضع بولی  
 راہ و رسم سبھی میں تو اختلاف ہے۔ دنیا میں کوئی دو ہزار تو بولیاں ہیں۔  
 راہ و رسم کے اختلاف کا تو یہ حال ہے کہ سرحد چین پر اب تک یہ دستور ہے  
 کہ جتنے سگے بھائی ہوں سب کی بی بی ایک اسی واسطے ان لوگوں میں نسب  
 ماں کی طرف سے لیا جاتا ہے۔ بخیرہ اندمان میں جس کو کالا پانی کہتے ہیں مرد  
 عورت سب مادر زاد برہنہ پھرتے ہیں سچ کہا ہے ہر ملکے و ہر رسمے ملکوں

کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو عجیب و مستور ہے تاریخ چین میں میں نے لکھا  
 ہوا دیکھا کہ وہاں چھوٹا پاؤں بڑی خوبصورتی کی بات سمجھی جاتی ہے چھٹپن  
 میں لڑکیوں کو لوہے کی جوتی پہنا دیتے ہیں۔ تاکہ پاؤں بڑھنے نہ پائے۔  
 بڑے ہونے پر چھوٹے پاؤں بدن کا بوجھ نہیں سہار سکتے اور چلنے میں عورتیں  
 گر پڑتی ہیں۔ اور اس کو داخل نزاکت سمجھتے ہیں۔ چھٹپن ناک کی بڑی تعریف  
 ہے بڑی بڑی حکمتوں سے ناک کے بانسے کو دباتے ہیں۔ مرہٹے بیوہ عورتوں  
 کا سر منڈوا دیتے ہیں۔ راجپوت لڑکیوں کو پیدا ہونے کے ساتھ

مار ڈالتے ہیں عرب کی عورتیں کئی کئی نکاح کرتی ہیں۔

حسن آرا۔ آخر اس اختلاف کا سبب کیا ہے۔ شروع میں تو سب ایک آدم کی  
 اولاد ہیں۔

استانی جی۔ آدم کی اولاد جب بہت بڑھ گئی تو ایک جگہ رہ نہیں سکتی تھی  
 دنس ہزار ہینسل ہزار کے غول اطراف و جوانب میں جا بسے اور وطن اصلی  
 سے کچھ تعلق نہ رہا شدہ شدہ اختلاف اس درجہ کو پہنچا کہ گویا دو ملک کے  
 لوگ ایک آدم کی نسل سے نہیں ہیں۔



اجرام فلکی اور علم ہیئت کے اصول سرسری طور پر

اور تھوڑا سا چاند گہن اور سورج گہن کا بیان

حُسن آرا۔ کچھ خدا کی قدرت میں عقل کام نہیں کرتی کتنی بڑی زمین بنا دی ہے  
کتنے آدمی بسا دیئے ہیں۔

اُستانی جی۔ خدا کی قدرت کے آگے تو زمین نہایت چھوٹی ہے اس قادر مطلق نے  
تو ایسے عالم بے شمار پیدا کر دیئے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں زمین کی کچھ بھی حقیقت  
نہیں۔

حُسن آرا۔ وہ کون! عالم عاقبت۔

اُستانی جی۔ عاقبت نہیں یہ ستارے جو تم آسمان میں دیکھتے ہو۔

حُسن آرا۔ یہ زمین سے بڑے ہیں۔

اُستانی جی۔ بہت بڑے ہیں۔

حُسن آرا۔ بہت تعجب کی بات ہے سچ میں کچھ اندھی تو نہیں ہو گئی۔

اُستانی جی۔ خدا نہ کہے۔

حُسن آرا۔ یہ ستارے جو آسمان میں ٹمٹماتے ہیں۔ ان کو آپ زمین سے بڑا فرماتی ہیں مجھ کو

تو ناخن سے بھی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

اُستانی جی۔ تم اکیلی کو کیا سبھی کو چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر واقع میں بہت بڑے

ہیں آنکھ کا قاعدہ ہے کہ دور کی چیز کو چھوٹا دیکھتی ہے اس نقص کے رفع

کرنے کو عقلمندوں نے دُور بین ایجاد کی ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا شیشہ ہے مگر دُور کی چیز اس کے ذریعہ سے بڑی نظر آتی ہے جن کتابوں میں چاند سورج اور ستاروں کا بیان ہوتا ہے۔ وہ علم ہیات کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب میرے والد نے اپنا تصنیف کیا ہوا رسالہ سیر آسمان مجھ کو پڑھایا ہے تو بات بات پر تم سے زیادہ تعجب مجھ کو ہوتا تھا۔ بلکہ میں نے اپنے والد سے عرض بھی کیا کہ یہ باتیں مجھی کو عجیب معلوم ہوتی ہیں یا فی الواقع عجیب ہیں۔ تو جناب والد نے فرمایا کہ انسان ناقص العقل جو کچھ زمین پر دیکھتا ہے اپنی کم فہمی کی وجہ سے جانتا ہے کہ خدا کی قدرت اس میں مضمر ہے اور اس کی کارگری کے اسرار و کرشمے یہی ہیں اور خدائی کے کارخانے سب اس نے سمجھ لیے ہیں۔ انسان کا حال بعینہ گولر کے بھنگے کا سا ہے وہ اسی کے اندر پیدا ہوا اور اسی کو جہان خیال کرتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا کی پیدائش سے لے کر اب تک جو کچھ انسان نے جانا اور سمجھا ہے وہ خداوند عالم کے کارخانہ قدرت میں ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے ایک ننھی سی بوند بلکہ اس سے بھی کم۔

حُسن آرا۔ اچھا پھر اُستانی جی کیا سچ مچ زمین سورج سے چھوٹی ہے۔  
اُستانی جی۔ ہاں ہاں چھوٹی بھی کیسی چھوٹی جیسے بڑے بھلے کے آگے مٹر کا دانہ۔

حُسن آرا۔ بھلا آفتاب ہم سے کس قدر دُور ہو گا؟  
اُستانی جی۔ پونے پانچ کروڑ کوس۔  
حُسن آرا۔ پونے پانچ کروڑ کوس۔ اسے سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

اُستانی جی۔ میں آفتاب کی دُوری تم کو دوسری طرح سمجھاؤں۔ توپ کا گولا کتنا تیز چلتا ہے۔ تمہارے ذہن میں اس کی رفتار کا کچھ اندازہ ہے۔  
حُسن آرا۔ کوئی ریل سے دونا۔

اُستانی جی۔ نہیں ایک منٹ میں ڈیڑھ میل یعنی گھنٹے میں کوئی سو میل اور ریل کو تو گھنٹے میں تیس میل سے زیادہ چلتے ہوئے نہیں سنا شاید انگریزوں کی ولایت میں کچھ زیادہ تیز ہوگی۔

حُسن آرا۔ گھنٹے کا حساب مجھ کو محمودہ بیگم نے بتایا تو تھا پر خیال سے اتر گیا۔ اچھی اُستانی جی ذرا آپ پھر بتا دیجئے۔

اُستانی جی۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹے کا ساٹھواں حصہ منٹ۔  
حُسن آرا۔ ہاں تو گولہ ایک منٹ میں ڈیڑھ کوس جاتا ہے۔  
(پھر سوچ کر) ایک منٹ میں ڈیڑھ کوس۔

اُستانی جی۔ ہاں ایک لاکھ توپ چھوڑ دی جائے تو ۱۹ برس میں گولہ آفتاب پر پہنچے۔

حُسن آرا۔ اے ہے خدا کی پناہ کیا ٹھکانا ہے۔

حُسن آرا۔ اور چاند زمین سے کتنا بڑا ہے۔

اُستانی جی۔ چاند بڑا نہیں چھوٹا ہے۔

حُسن آرا۔ تو کچھ پاس بھی ہوگا۔

اُستانی جی۔ ہاں ایک لاکھ بیس ہزار کوس دُور۔

حُسن آرا۔ اچھی اُستانی جی یہ نور کے اتنے بڑے بڑے گولے اللہ میاں نے اسی

واسطے بنائے ہوں گے کہ زمین پر ان کی روشنی پہنچے۔

اُستانی جی۔ آفتاب تو اپنی ذات سے روشن ہے۔ مگر چاند کا یہ حال نہیں وہ ہماری

زمین کی طرح بے نور ہے۔

حُسن آراہ کیا جس طرح آنکھ ستاروں کے قدرِ قامت میں غلطی کرتی ہے۔ اُن کی چمک میں بھی غلطی کرتی ہے۔

اُستانی جی۔ چمک دار تو سب ستارے ہیں لیکن جو ستارے اپنی ذاتی چمک نہیں رکھتے۔ آفتاب کی شعاع جس طرح زمین پر پڑتی ہے اور زمین کی چمک اٹھتی ہے اسی طرح وہ ستارے بھی آفتاب کی دھوپ پڑنے سے ہم کو چمکدار نظر آتے ہیں۔

حُسن آراہ۔ آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ستارے بے نور ہیں جیسے چاند اور بعض مثل آفتاب اپنی ذات سے روشن۔

اُستانی جی۔ تم نے ٹھیک سمجھا یہی حال ہے۔

حُسن آراہ۔ مگر آفتاب کے برابر تو کسی میں چمک نہیں۔

اُستانی جی۔ آفتاب تو پھر بھی پاس ہے۔ ستارے اس قدر دور ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

حُسن آراہ۔ بھلا جو ستارے اپنی ذات سے روشن نہیں ہیں کیا آفتاب کی شعاع ان پر ہر وقت رہتی ہے زمین پر تو ہر وقت نہیں رہتی۔

اُستانی جی۔ زمین پر بھی ہر وقت رہتی ہے۔

حُسن آراہ۔ اُستانی جی رات کے وقت جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ کہیں بھی نہیں ہوتی۔

اُستانی جی۔ زمین گول ہے جس طرف سے آفتاب کے سامنے ہوئی وہاں دن ہوا اور دوسری طرف اندھیرا جس کو رات کہتے ہیں۔ اسی طرح ستاروں کی بھی ایک نہ ایک طرف آفتاب کے سامنے رہتی ہے۔

حُسن آرا۔ زمین تو بے دُھوپ کے بھی نظر آتی ہے مگر تاکے جتنے ہیں چمکتے ہوئے ہی نظر آتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

اُستانی جی۔ اس کا سبب ہے دُور ہونا۔ ستارے اتنی دُور ہیں کہ صرف روشنی کے سہارے سے ہم کو ٹمٹماتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں، ورنہ کیا اُبدان کے نظر آنے کی ہے۔

حُسن آرا۔ تارے دن کو کیوں نہیں دکھائی دیتے؟  
اُستانی جی۔ خود آفتاب کی دیکھتی ہوئی شعاعیں ہم پر ہوتی ہیں۔ تاروں کی مدد سے چمک نظر نہیں آتی جیسے دن کو چراغ کا نور پھیکا پھیکا ہو جاتا ہے۔

حُسن آرا۔ یہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے ایک طرف اجالا اور دوسری طرف اندھیرا رہتا ہے بات تو ٹھیک ہے گول چیز کو روشنی کے سامنے رکھیں گے تو سامنے والی طرف اجالا ہوگا اور دوسری طرف تاریکی مگر چاہیے تھا کہ زمین پر جہاں دن تھا سدا دن رہتا اور جہاں رات تھی سدا رات۔

اُستانی جی۔ کشش جانتی ہو (حُسن آرا نے تامل کیا)  
محمودہ۔ ایس بھول گئیں وہ کشش جس کے اثر سے چیزیں زمین پر گر جاتی ہیں۔

حُسن آرا۔ ہاں ہاں جانتی ہوں پھر۔  
اُستانی جی۔ وہ کشش صرف زمین میں نہیں ہے۔ ہر ایک چیز ایک دوسری کو کھینچ رہی ہے۔ زمین چاند سورج ستارے سب ایک ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس کھینچا تانی کا اثر یہ اثر ہوا کہ زمین بلا کر گیارہ ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔

حُسن آرا۔ زمین بھی ایک سیارہ ہے۔

اُستانی جی۔ بے شک۔

حُسن آرا۔ اچھا زمین آفتاب کے گرد گھومتی سہی مگر اس سے دن رات کا  
اول بدل تو لازم نہیں آتا۔

اُستانی جی۔ سہی کیا معنی یوں کہو گھومتی ہے اور رات کا اول بدل یوں ہے

کہ زمین اپنے اوپر بھی پلٹے کھاتی جاتی ہے ایک پلٹے کا نام رات دن سے  
اور آفتاب کے گرد ایک چکر کا نام برس۔ حساب سے یہ نکلا کہ ایک گھنٹے

اٹھا دن ہزار میل زمین اپنے چکر میں چلی جاتی ہے اور جس طرح ریل اور  
ناؤں کے بیٹھنے والوں کو ریل اور ناؤں کی حرکت معلوم نہیں ہوتی یہ لوگوں

کو جو خبر بھی نہیں ہوتی کہ زمین کہاں جا رہی ہے۔

حُسن آرا۔ صرف گیارہ ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔ اور باقی۔

اُستانی جی۔ باقی ٹھہرے ہوئے ہیں اور کون جانے شاید ان ٹھہرے ہوئے

ستاروں میں ایک ایک کے بجائے خود آفتاب ہوا اس کے گرد گرد اور  
ستارے گھومتے ہوں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔

حُسن آرا۔ ایسا نہ ہو گھومتے گھومتے یہ گولے ایک دوسرے سے ٹکرا اٹھیں

اچھی اُستانی جی تب کیا ہوگا؟

اُستانی جی۔ عجب نہیں کہ قیامت اسی طرح آئے بلکہ آفتاب کے گرد گھومنے

والے چار ستارے انگریزوں نے نئے دیکھے ہیں لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ

وہ چاروں کبھی ایک تھے نہیں معلوم کب اور کیوں ٹوٹ کر چار بن گئے۔

حُسن آرا۔ ان ستاروں سے کچھ چنداں روشنی تو ہم کو پہنچتی نہیں بھلا آفتاب ہاتھ

تو قدرتی مشعلیں ہیں۔ یہ ستارے اللہ میاں نے کیوں بنائے ہیں؟

اُستانی جی۔ تمہیں اللہ میاں نے کیوں بنایا ہے۔ اپنی قدرت کے بھید وہی

وہی خوب جانتا ہے۔ جس طرح زمین ایک جہان ہے ہر ہر ستارہ بجائے  
خود ایک جہان ہے شاید ان میں ہم جیسے انسان بستے ہیں۔  
حُسن آرا۔ یہ صرف آپ قیاساً فرماتی ہیں یا ستاروں میں آدمیوں کا رہنا تحقیق  
ہوا ہے۔

اُستانی جی۔ قیاسی بات ہے۔ لیکن قیاس معقول ہے کچھ نامعقول نہیں  
بعض ستاروں میں پہاڑ، سمندر، یاد ل، ہوا یہ چیزیں تحقیق ہوئی ہیں  
پس کیا عجب ہے کہ آدمی بھی ہوں۔ چاند میں جو ایک دیاساد کھائی دیتا  
ہے جانتی ہو کیا ہے۔

حُسن آرا۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی بڑھیا چاند میں بیٹھی چر نہ کا تا کرتی ہے  
(سب ہنسنے لگے)

اُستانی جی۔ یہ پہاڑوں کی بڑھیا ہے۔  
حُسن آرا۔ جتنی باتیں آپ نے فرمائیں سب میرے دل نے قبول کیں اور علم ہیات  
بڑی دلچسپ چیز ہے اور میں وہ رسالہ سیر آسمان ضرور پڑھوں گی۔ رابعہ  
نے آہستگی سے حُسن آرا کے کان میں کہا کہ چاند اور سورج کو گھسی گھسن  
لگتا ہے۔ اس کا سبب بھی اُستانی جی سے پوچھ لو۔

حُسن آرا۔ پوچھنے کی ضرورت ہے تمام دنیا اس کا سبب جانتی ہے کہ یہ ایک قسم  
کا عذابِ الہی ہے۔

رابعہ۔ ہاں لوگ تو کہتے ہیں مگر شاید پوچھنے سے کوئی ٹھیک بات دریافت ہو۔  
حُسن آرا۔ میں تو ایسی موٹی بات پوچھ کر خفیف ہونا نہیں چاہتی۔ اُستانی جی  
نے ان دونوں کی ہرگوشی سُن کر پوچھا کیا ہے؟  
حُسن آرا۔ جناب کچھ بھی نہیں رابعہ چاند گھسن اور سورج گھسن کا سبب دیا



کرتی تھیں سو میں نے بتا دیا۔

اُستانی جی۔ کیا؟

حُسن آرا۔ عذاب الہی۔

اُستانی جی۔ عذاب نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کا جلال۔ اور سبب۔

حُسن آرا۔ کچھ خوب سمجھ میں نہیں آیا۔

اُستانی جی۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ زمین اور چاند اپنی ذات سے نورانی نہیں۔

گھومتی گھومتی جب سورج اور چاند کے بیچ میں زمین آپڑے گی تو چاند گرہن

ہوگا اور جب سورج اور چاند حائل ہوگا تو سورج گرہن مگر یہ باتیں بہت

مشکل ہیں اور ابھی تم کو ان کا سمجھنا دشوار ہے۔ انشاء اللہ جب تم رسالہ سیرِ آسمان

کے پڑھنے کی لیاقت حاصل کرو گی تو میری باتیں بخوبی تمہارے ذہن نشین

ہو جائیں گی۔

## حُسن آرا کا مکتب سے رخصت ہونا

ہم شروع کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ حُسن آرا مکتب میں بیٹھی تو گیارہویں برس میں تھی جب اس کو خیر سے چودھواں برس لگا تو جھجھک والوں کی طرف سے بیاہ کا تقاضا شروع ہوا اس عرصہ میں حُسن آرا نے سارا قرآن مجید پڑھا اور چونکہ دو سیپاہ سے روز تلاوت کا معمول تھا ایسا یاد تھا کہ گویا حفظ سے اردو بے تکان بے تکلف لکھتی پڑھتی تھی۔ سوادِ خط بھی کچھ پڑا نہ تھا۔ قرآن کا ترجمہ اور کمنٹری المصلیٰ، قیامت نامہ، راہِ نجات، وفات نامہ، قصہ شاہِ روم، قصہ سپاہی زادہ، معجزہ شاہِ مین، رسالہ مولود شریف، شہید مشارق الانوار اتنی تو مذہبی کتابیں اس کی نظر سے گزر گئیں اور ان کے علاوہ حساب کے ضروری قاعدے کسرتک اور ہندوستان کا جغرافیہ، ہندوستان کی تاریخ، چند پند، منتخب الحکایات، مرآة العروس سب کچھ سیکھ پڑھ کر فارغ ہو گئی اردو کے اخبار بے تامل پڑھ کر سمجھ لیا کرتی تھی اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ خانہ داری کے جو مہنر عورتوں کو درکار ہیں سب اس نے حاصل کیے اور معلومات مفید کا اتنا ذخیرہ اس نے جمع کر لیا کہ وہ اس کو تمام عمر کی آسائش اور مسرت کے لیے کافی تھا۔ کتاب کے ذریعہ سے جو کچھ اس نے سیکھا اس کا ہزار چند اُستانی اصغری خانم اور مکتب کی لڑکیوں سے باتوں باتوں میں حاصل کیا۔ جب اس کے بیاہ کی تاریخ قریب پہنچی تو ہر چند گھر والوں نے اس کو مکتب جانے

سے روکا مگر اس کو شوق تھا۔ حسب دستور مکتب میں آتی رہی یہاں تک کہ ماہیوں بیٹھنے میں صرف تین دن باقی رہ گئے تب ناچار سلطانہ بیگم خود اُستانی اصفری خانم کے پاس گئیں۔ سلام دُعا اور مزاج پُرسی کے بعد سلطانہ بیگم بولیں: "اُستانی جی تم میں ایسا جی پڑا تھا کہ روز کہنتی تھی آج جاؤں لیکن تمہاری اس لونڈی کے سیاہ کرنے کی فکر میں ایک دم کی چھٹی نہیں ملتی۔ سینتی میں نہیں پر دتی میں نہیں مگر کام ہے کہ سمٹنے ہی نہیں آتا۔ آخر میں آج زبردستی نکل کھڑی ہوئی سو کام کاج کا صرح کیا اور میں نے کہا کہ چلوں ذرا کھڑے کھڑے اُستانی جی سے تو مل آؤں۔"

اُستانی جی۔ درست سے یہی تو کام کاج کا وقت سے آپ نے ناحق تکلیف کی مجھی کو بلا بھیجا ہوتا۔ میں بھی دن رات آپ کے کام میں لگی لیٹی رہتی ہوں جوڑے جو میں نے سینے اور مصالح ٹانگنے کو آپ سے منگوئے تھے سب تیار ہیں۔ پہلے تو میرا جی ڈرتا تھا کہ جوڑے ماشار اللہ بہت بھاری ہیں اور خدا کے فضل سے امیر گھر جانے والے ہیں ایسا نہ ہو یہ لڑکیاں کہیں بگاڑ دیں۔ مگر نہیں حسن آرا بیگم کی محبت سے لڑکیوں نے خوب ہی جی لگا کر سیا اور مصالح بھی بہت ہی صفائی سے ٹانگا۔ اس جوڑی گلبدن کے پائجلے میں جو میں نے پرسوں سلوا کر بھیجا ہے ذرا کلیوں کا گوکھرو کھینچ زیادہ کیا ہے۔ بہتر اشہر بانو کہنتی رہی کہ اُستانی جی لاوا دھیر کر پھر ٹانگ دوں۔ میں نے کہا خیر رہنے بھی دو ادھیرنے سے گوکھرو خراب ہو جائے گا۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔

سلطانہ بیگم۔ وہ جوڑا میں نے اپنے یہاں کی مغلانیوں کو دکھایا تھا پھر ٹک گئیں اور کہنے لگیں پھر کہاں مردوں کی چٹکی اور کہاں عورتوں۔ میں بولی

اری مردوں کا یہاں کیا مذکور۔

مغلانیاں۔ اسے حضور! یہ جوڑامیاں علی جان کے کارخانے کا ٹنکا ہوا معلوم ہوتا ہے اسی سے ٹانکا ایسا درست بیٹھتا چلا گیا ہے۔ تو لوندیوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب کہ عورتوں کا کام کیسا ہی سہل کیوں نہ ہو مردوں کے کام کو نہیں پاسکتا۔

میں۔ کہاں کے علی جان اور کیسے مرد بہ جوڑا تو میری اُستانی جی کے مکتب کی لڑکیوں نے سیا اور انہیں نے اس میں مصالح ٹانکا ہے یہ سن کر مغلانیاں بار بار جوڑے کو کھول کھول کر بغور دیکھتی تھیں بولیں حضور فرماتی ہیں تو ہم کو یقین ہے لیکن عورتوں کے ہاتھ میں یہ صفائی اور ستھرا پن ہم نے تو نہیں دیکھا۔ اُستانی جی۔ خیر اور جوڑوں کی سلائی مجھ کو بھی پسند ہے۔ پھر آپ نے حسن آرا بیگم کے تمام جوڑے بھیج دیئے ہوتے لڑکیاں تو خوشی خوشی سی دیتیں۔

سلطانہ بیگم۔ اور یہ سارا جہیز کس نے ٹانکا۔ مغلانیوں سے تو میں نے صرف موٹا کام لیا چاندنیاں ہوئیں گھٹریاں ہوئیں دسترخوان ہوئے سوزنیاں ہوئیں موباف کسے غلاف تیکے تو شک لحات اس طرح کی چیزیں البتہ مغلانیوں نے سہی ہیں یا ہاں شب خوابی کے کپڑے باقی پہننے کے کپڑے اکثر تو مکتب میں اور کچھ تھوڑے باجی اماں کے یہاں سے پروئے گئے۔ اُستانی جی۔ الہی خیر سے حسن آرا بیگم کو نصیب ہوں اور ہزاروں اور گھس پس کر پرانے ہوں۔

سلطانہ بیگم۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں اُستانی جی دعا کیجیے اللہ نصیب اچھے کرے بیٹیوں کا بھی کچھ عجیب نازک معاملہ ہے کن کن مصیبتوں سے پالو پرورش کرو اور پھر دھن پرایا کیا کروں کچھ بن نہیں پڑتی ورنہ میں

حَسَنًا کو اپنی نظروں سے دُور نہ ہونے دیتی۔ شہر میں ایک سمدھیانہ کر کے دُہ  
 دُہ آفتیں اٹھائیں کہ میں نے آگے کو توبہ کی اور کان اینٹھا ورنہ حکیم صاحب  
 بے چارے کا کچھ قصور نہیں کسی کسی باتیں حسنا کے واسطے منگوائیں۔  
 ایک سے ایک بڑی چڑھی۔ میں نے کہا حاشا ادھر کی دُنیا ادھر سو جائے  
 گی میں شہر میں اب بیٹھ نہ دوں گی۔ کالامنہ ایسے شہر کا جس میں یہ کچھ رسوائی  
 اور فضیحت ہے۔ سو اُستانی جی اب دینہات والوں سے معاملہ کیا ہے  
 خدا کے ہاتھ میں شرم ہے۔

اُستانی جی۔ حُسن آرا بیگم سے آپ مطمئن رہیے اول تو جھجھروالے خود بڑے رئیس  
 ہیں دوسرے خاک چاٹ کر کہتی ہوں آپ انشاء اللہ دیکھ لیجئے گا کہ بیاہ  
 کے دوسرے تیسرے ہی مہینے حُسن آرا بیگم تمام ریاست کے سیاہ و سفید  
 کی مالک بن بیٹھیں تو مجھ کو الاہنا دیکھئے گا۔ کیا آپ کو حُسن آرا کے مزاج  
 میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔

سلطانہ بیگم۔ فرق تو آپ کی عنایت سے زمین آسمان کا ہے آپ کے فیضان  
 تعلیم نے خاک کو اکسیر تانبے کو کندن درتے کو خورشید پونچھ کو نعل سفید  
 حیوان کو آدم حسنا کو ماشاء اللہ حُسن آرا بیگم بنا دیا اس کی خوبی تقدیر  
 کی یہی ایک بڑی نشانی ہے کہ وہ شاگرد اور آپ جیسی اُس کی اُستانی ہے  
 یہ ایسا احسان آپ نے سب گھر والوں پر کیا ہے کہ جب تک جٹیں گے  
 آپ کے مرہون منت رہیں گے۔ مگر جب سے حسنا نے بیاہ کی تیاری ہوتے  
 دیکھی ہے کچھ سہم سی گئی ہے یونہی گھر میں اس کا جی نہیں لگتا تھا اور  
 بھی دل اچاٹ ہو گیا ارادہ تھا کہ پورے مہینے بھر مایوں بٹھاؤں گی۔  
 اس کی حالت دیکھ کر میں نے کہا کہ مایوں سے بدتر تو یہ خود ہوتی جاتی

ہے۔ رنگت زرد ہو گئی ہے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں چہرہ دیکھو اس صورت دیکھو غمگین۔ میں کہتی ہوں اس کو اتنی عمر میں فسر کیوں ہے۔ اس عمر میں تو لڑکیوں کو دلہن بننے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔

استانی جی۔ حسن آرا بیگم اور لڑکیوں کی طرح نادان نہیں ہیں ماشار اللہ بڑی فہمیدہ اور ذریعہ لڑکی ہے۔ یہی گھر چھوڑنے کا خیال ہوگا۔ سلطانہ بیگم۔ گھر کی تو اس کو مطلق پردہ نہیں البتہ مکتب اس کی جان ہے دیکھئے کیونکہ سچی کا دل پہلے گا۔

استانی جی۔ میں سمجھا دوں گی ادویوں آدمی اپنے پیاروں سے جدا ہوتا ہے۔ تو رنج ہوتا ہی ہے۔

سلطانہ بیگم۔ اترسوں خیر سے چکیوں میں تاریخ اور جمعہ کا دن ہے اگر آپ اجازت دیں تو حسنا کو مائٹوں بٹھایا جائے کنبے والے کچھوا کچھوا بھجیے ہیں کہ اب تک لڑکی کو مائٹوں نہیں بٹھایا۔

استانی جی۔ خدا مبارک کرے تاریخ بھی اچھی دن بھی اچھا اور حسن آرا بیگم کو مائٹوں بٹھانے کی ضرورت تو کچھ نہ تھی مگر خیر دنیا کی رسم ہے۔

سلطانہ بیگم۔ پھر آپ فرمائیں تو حسنا گھر سے نہ نکلے ہیں تو کئی دن سے کہہ رہی ہوں منہ سے کچھ نہیں کہتی۔ آنکھ بچی اور مکتب میں۔

استانی جی۔ کل اور معاف کیجیے پرسوں انشاء اللہ میں حسن آرا بیگم کو مکتب سے رخصت کر دوں گی لڑکیوں ہی خواہش ہے کہ کل دونوں وقت مکتب کی طرف سے حسن آرا بیگم کی دعوت ہو۔ رات جگا کریں۔ پرسوں سویرے ذرا آپ بھی

جمال آرا بیگم کو ساتھ لے کر تشریف لائیے گا اور لڑکیوں کی ماں بہنیں بھی آئیں گی۔ اس کے بعد سلطانہ بیگم تو رخصت ہوئیں اگلے دن بڑے تکلف سے بڑی

دھوم دھام کے ساتھ حسن آرا بیگم کی دعوت ہوئی مکتب کی لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں وہ وہ کھانے پکائے کہ کیا کوئی رکابدار پکائے گا۔ رات کو رات جگا ہوا حسن آرا کے سہاگ کے مایوں کے گیت گائے گئے اور لڑکیوں نے یہ صلاح کی کہ مکتب کی طرف سے چڑھاوے کا جوڑا تو خیر دیا ہی جاوے گا مانجھے کا جوڑا بھی مکتب ہی کا ہو اور حسن آرا بیگم وہی جوڑا پہن کر مکتب سے رخصت ہوں۔ صبح سویرے اٹھ نماز اور تلاوت سے فارغ ہو مکتب میں جھاڑو دو اسلیقے کے ساتھ دالان میں صاف اور ستھرا فرش بچھو ادا دیا اتنے میں مہمانوں کی ڈولیاں آئی شروع ہوئیں کوئی چار گھڑی دن چڑھتے چڑھتے سارا گھر مہمانوں سے بھر گیا لڑکیوں کی ماں بہنوں میں تو کوئی ایسی نہ تھی کہ نہ آئی ہو محلے کی ساری بیویاں بے بلائے سیر دیکھنے کو موجود ہوئیں اور اچھی خاصی شادی رچ گئی بیچ دالان میں آکر بھر گئے جب سب لوگ بیٹھ بٹھا چکے تو اندر کو کھڑی سے لڑکیاں حسن آرا کو مانجھے کا جوڑا پہنا کر باہر لائیں اور اُستانی جی کے عین سامنے لا بٹھایا تب اُستانی جی نے حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر یہ تقریر کی کہ

بوا حسن آرا بیگم آج میں تم کو اپنی اور اپنے مکتب کی لڑکیوں کی طرف سے رخصت کرتی ہوں۔ آج استاد ی شاگردی اور ہم مکتبی کا سب کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ سن کر سارے مہمانوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے اور اُستانی جی کا دل بھی اس قدر بھرا آیا کہ گویا کہہ رہی تھیں مگر آواز سے رقت ظاہر ہوتی تھی مگر محبت اخلاص انشاء اللہ جب تک دم میں دم ہے باقی رہے گا۔ حسن آرا بیگم میں تم کو مثل اپنی بتول اور محمودہ کے چاہتی ہوں اور پیار کرتی تھی اور کرتی ہوں اور جب تک



دُنیا میں ہوں خدا نے چاہا کہ وہ مگر استاد ہی شاگرد ہی کا ایسا ناطہ ہے کہ مجھ کو اس محبت کا برتاؤ رکاوٹ کے ساتھ کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی میں نے تمہاری غلطیوں پر متنبہ کیا ہوگا بلکہ شاید کسی بیجا بات پر ملامت بھی کی ہو سو وہ تنبیہ اور ملامت تمہارے فائدے تمہاری اصلاح اور تمہاری بہتری کے واسطے تھی۔ جب دو آدمی دنیا میں کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں چاہے وہ تعلق ہمسائیگی اور ہم وطنی اور انسانیت کا کیوں نہ ہو مگر بہت سے حقوق ایک دوسرے پر ہوتے ہیں جو تعلق مجھ کو تمہارے ساتھ تھا میں کہہ چکی ہوں کہ تعلق مادری اور فرزند ہی کے قریب قریب تھا۔ ہر چیز میں تمہارے حقوق کے ادا کرنے میں اپنے مقدر بھر کو شمشک کرتی رہی ہوں لیکن ممکن ہے کہ مجھ سے تمہارے کسی حقوق کے ادا کرنے میں کچھ فرد گزاشت ہوئی ہو سو آج میں اس بھرے مجمع میں تم سے بمنت اس کی معافی چاہتی ہوں اس واسطے کہ میں بھی آدمی ہوں اور آدمی کو یہ کبھی غرور نہیں کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے فرائض انسانیت کو پورا پورا ادا کیا ہے (ہر طرف سے واہ واہ سبحان اللہ کا شور ہوا مگر اس کے ساتھ رقت بھی تھی) بوا حسن ابی بکر انسان کا خمیر مانس سے ہے دو چار دفعہ کی صاحب سلامت سے آدمی کو آدمی کی محبت پڑ جاتی ہے اور تم سے تو تین برس کامل اس درجہ کا اختلاط رہا کہ رات دن پاس رہنے کا اتفاق ہوا بس آج میں تم کو اسی صدمہ اور اسی درد اور اسی رنج کے ساتھ رخصت کرتی ہوں جس طرح بتول اور محمود کو کروں گی۔ اگر خدا کو منظور ہے (سب لوگ جلتے اس وقت موجود تھے پکار کر روئے)

استانی جی۔ تھوڑی دیر ضبط کرنے کے بعد۔ بوا حسن آرا بگیم میں جدائی اور

رخصت کے مضمون کو بار بار کہنا نہیں چاہتی اس واسطے کہ اس سے تم کو اور مجھ کو اور سب سُننے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو تمہارا رخصت ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ دنیا جہاں کی بیٹیوں کا دستور ہے کہ بیاہ ہوا اور ماں باپ سے جدا ہوئیں مجھ کو بھی اپنی ماں سے کبھی ایسا ہی تعلق تھا۔ جیسا کہ اب تم کو بیگم صاحبہ سے یا مجھ سے ہے۔ تمہاری طرح میں بھی ایک آیا رکھتی تھی تمہاری جیسی سہیلیاں میری بھی تھیں مگر آخر سسرال کی نئی دنیا میں آکر بسی اور کیا میں کیلی بسی مجھ ایسی ہزاروں لاکھوں۔ تم کو شاید شہر کے باہر بیاہے جانے کا خیال ہوتا ہو گا سو جھجھکے دور نہیں ہے باہر شہر ہے مگر تمہارے واسطے نہیں جن کے لیے ماشا اللہ ہر طرح کی سواہی موجود ہے اگر آنا چاہو تو ہر نہیں سو اپہر۔ یوا حسن آرا بیگم کے تعلقات یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ خود بخود ضعیف جاتے ہیں پس کیا دل کو اتنا سمجھ لینا کچھ بڑا کام ہے کہ پہلے سے ادھر کے تعلقات کو ضعیف فرض کر لیا جائے۔ حسن آرا بیگم حالت میں جو انقلاب عظیم ہونے والا ہے مجھ کو امید ہے کہ تم اس سے بے بہرہ نہیں ہو اور تم کو شکر کرنا چاہیے کہ جس امتحان کے لیے تم بلائی جاتی ہو تم کو اس کے واسطے تیاری کرنے کی اچھی خاصی فرصت اور فراغت حاصل تھی۔ جو کچھ تم نے پڑھا اور سیکھا اور سنا اب اس امتحان میں تمہارا اصلاح کار اور مددگار ہو گا۔ جو شخص تمہاری طرح کتابوں کا ذخیرہ پاس رکھتا ہے اگر وہ اپنے تئیں تنہا سمجھے یا وہ اپنے تئیں اپنے پیاروں سے بچھڑا ہوا خیال کرے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ یہی کتابیں تمہاری تنہائی کی سہیلیاں ہیں اور سہیلیاں بھی کیسی ماں کی

طرح مہربان، اُستانی کی طرح شفیق، مونس، غم خوار، رفیق، غم گسار، ناصح  
دوستدار، خیر خواہ، درفا شعار، بوا حسن آرا بیگم اب تک جو پڑھتی رہیں  
تم کو قصہ اور کہانی معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن وہ کہانی اب تک جگ بیتی  
تھی اور اب اپنی بیتی ہوگی۔ جتنی کتابیں تمہارے پاس ہیں اگرچہ تھوڑی  
ہیں مگر غور کرنے اور عمل کرنے کو بہت ہیں اور میں تمہارے ہی فائدے کی  
نظر سے یہ آخری نصیحت تم کو کرتی ہوں کہ تم کو اسی طرح التزام کے  
ساتھ ان کو پڑھتی اور دیکھتی رہنا جیسے مکتب کے پڑھنے کی حالت  
میں پڑھا اور دیکھا کرتی تھیں۔ جس روز سے تم مکتب میں داخل ہوئیں  
میں نے تمہارے حالات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے اور اب تک  
جو جو مباحثے اور مناظرے تم میں اور لڑکیوں میں واقع ہوئے ہیں سب  
کو سلسلہ وار لکھتی چلی گئی۔ اب میں کھتی ہوں تو ان سے ایک اچھی خاصی کتاب بن گئی۔  
**بنات المنعش**۔ میں نے اس کا نام رکھ دیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو میں تم کو بطور اپنی  
یادگار کے دیتی ہوں یہ کہہ کر اُستانی اصغری خانم نے سرخ اطلس کے کاغذ پر جزدان سے کتاب  
نکالی کلاہتوں کا شیرازہ جلد جیسے سونے کا دلا خود اُستانی جی کے دست خاص کی تہایت پاکیزہ و  
خط نستعلیق میں لکھی ہوئی کہ دیکھ کر آنکھ روشن ہو جائیں لوح بین السطور جدول سر آغاز ہر جگہ  
لاوردی اور طلائی کام پہلے تو حاضرین مجلس میں دست بدست دہ کتاب پھری پھر اُستانی جی نے  
بدستور جزدان میں رکھ کر حسن آرا بیگم کو دی جس آرا گھونگھٹ نکالے سرود گھڑی ہو اُستانی جی  
کو بہت ادب سے سلام کر کے بیٹھ گئی۔ کتاب کی دیکھ بھال میں کوئی دو چار لمبے سلسلہ سخن  
منقطع رہا اور پھر اُستانی جی نے اپنی تقریر شروع کی۔

بوا حسن آرا بیگم! اس کتاب میں تم اپنی بلکہ مکتب کی سب لڑکیوں کی  
ہو بہو تصویریں پاؤ گی۔ یہ سن کر کل حاضرین جنہوں نے کتاب کو بھی طرح

اُلٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔ متعجب ہوئے۔

اُستانی جی۔ تصویر سے مراد ہے کہ تمہارے مزاج تمہاری عادت تمہاری خوبو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے۔ کتاب کے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائے گا۔ کہ تمہارا تذکرہ ہے یہ کتاب تم کو وہ عادتیں یاد دلائے گی جن کی اصلاح میں مجھ کو بڑے بڑے اہتمام کرنے پڑے ہیں تم کو اس کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ گویا پھر وہی تم ہو اور تمہارا مکتب ہے وہی بات بات پر ضد ہے اور وہی بات بات پر تعجب ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے تم کو معلوم ہوگا کہ مکتب کی تعلیم نے تم پر کہاں تک اثر کیا۔ کون کون سی بری عادتیں تھیں کہ چھڑا دیں۔ کون کون سی غلط فہمی تھی کہ اس کی اصلاح کی اور کون کون سی نیک باتیں ہیں کہ اولاً ان کی بہتری تم سے تسلیم کر کے پھر تم کو ان کے اختیار کرنے پر مجبور کیا اگرچہ ظاہر میں تم آج سے اس مکتب سے جدا ہوئیں مگر میرے اور سب لڑکیوں کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ تم نزدیک رہو گی اور اور وقتاً فوقتاً جو فائدہ تم کو اس مکتب سے پہنچنا ممکن ہے پہنچا رہے گا۔ جو نئی کتاب ہم لوگ پائیں گے یا جو عمدہ مضمون سنیں اور دیکھیں گے ضرور تم کو پڑھنے میں شریک کر لیا کریں گے۔ بوا حسن آرا بیگم تم تو جانتی ہو کہ میں ایک غریب آدمی ہوں لیکن خدا کا شکر کرتی ہوں کہ میں اپنی حالت سے رضا مند اور اپنی حیثیت میں خوش ہوں۔ کیونکہ بقول ایک بزرگ کے آسمان کو دیکھتی ہوں کہ ضرور کسی نہ کسی دن طائر روح کو قفسِ عنصری سے نکل کر اوجِ فلک پر پرواز کرنا ہے۔ پھر زمین کو دیکھتی ہوں اور پاتی ہوں کہ جب مروں گی تو صرف چند باشت میری ہڈیوں کے لیے درکار ہوگی۔ پھر

غور کرتی ہوں تو دنیا میں نہ کچھ ساتھی لائی اور نہ کچھ ساتھ لے کر جاؤں گی اور ہزاروں لاکھوں خدا کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے مقابلے میں ہر طرح اور ہر اعتبار سے میری حالت بہ مداسج بہتر ہے۔ ان خیالات نے میرے دل پر یہ اثر کیا ہے کہ دوزخ شکم بھر لینے کو کچھ وال دلیا اور تن بدن ڈھانک لینے کو کچھ موٹا جھوٹا کپڑا اس کے سوائے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ہونا میں اپنے واسطے ضرور سمجھوں اور اس کے حاصل کرنے کی فکر کروں پھر بھی خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو اپنی ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے بڑھ کر بہت کچھ دے رکھا ہے کچھ تھوڑا سا با تقاضا محبت اس میں سے اور کچھ رقم مکتب سے لے کر میں نے دو سو روپے کا ایک جوڑا تمہارے لیے بنایا ہے مکتب کی رقم تم جانتی ہو کہ میں اس کی مالک نہیں ہوں لہذا کیوں کی چیز ہے جن کے کاموں کے دام سے یہ رقم فراہم کی جاتی ہے۔ پس یہ جوڑا خلعت مکتبی ہے جو میں تم کو نہایت خوشی سے دیتی ہوں خدا تم کو اس کا پہننا مبارک کرے۔ تمہارے جہیز میں اس سے کہیں زیادہ قیمت کے جوڑے ہوں گے مگر جب دیکھو گی کہ کس چاؤ اور کس شوق سے کس محبت سے ہم چند غریب آدمیوں نے مل کر جوڑا بنایا ہے تو ہم سب کو اُمید ہے کہ تمہاری قیمتی اور عمدہ اور نفیس جہیز میں اس کا شامل کیا جانا کچھ بد نما نہ ہوگا۔ یہ سن کر حسن آرانے پھر اسی حالت میں اٹھ کر سلام کیا۔

اُستانی جی۔ حسن آرا بگیم۔ اب دن زیادہ چڑھ گیا ہے اور لوگوں کے کھانے پکانے کا وقت ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ زیادہ دیر تک تم سب کو باتوں میں لگائے رکھوں مگر صرف ایک بات مجھ کو اور کہہ لینے دو کہ اگر اس

کو نہ کہوں گی تو گویا تمہارا فرضِ رخصت ہمارے ذمے رہ جائے گا۔ لڑکیاں  
 جیسا کہ ہوئے تیچھے ماں باپ، بھائی بہنوں اور عزیز واقارب سے جدا ہو کر  
 سُسرال جاتی ہیں اس انقلاب کی حالت میں خدائے تعالیٰ ہم عورتوں کو  
 اپنے فضل سے اس انقلاب کی حالت میں خدائے تعالیٰ کے واسطے مقدر  
 ہے۔ دنیا ہمارا میکا ہے اور عاقبت بجائے سُسرال کے ہے کوئی لڑکی  
 سدا میکے نہیں رہتی اور سویرا ایک نہ ایک دن اس کو سُسرال جانا ضرور ہوگا  
 اسی طرح کوئی شخص ہمیشہ دنیا میں نہیں رہے گا۔ "سدا رہے نام اللہ کا۔"  
 جس لڑکی نے میکے میں رہ کر ہنر سیکھا عقل و تیز حاصل کی سُسرال میں بھی  
 ساس سُسرے کی لاڈ و نند بھاوجوں کی چہیتی اور اپنے میاں کی پیاری ہو  
 گی۔ اسی طرح جس نے دنیا میں رہ کر اچھے عمل اور نیک کردار کیے عاقبت  
 میں اسی کی عزت اور اسی کی توقیر ہے اور ایسے ہی لوگ بہشت کے  
 مالک ہوں گے مگر جس لڑکی نے ماں باپ کی ناز برداریوں میں وقت ضائع  
 کیا اور اپنے مزاج کی اصلاح اور عادات کی درستی اور تحصیل ہنر کی کچھ  
 فکر نہ کی سُسرال میں جائے گی تو میاں کی نظروں میں ذلیل ساس  
 نندوں کے نزدیک بے قدر بعینہ یہی حال ہوگا ان کا جو زندگی کے دن  
 غفلت اور بے پرواہی میں اکارت کرتے ہیں۔ قیامت میں رسوا اور فضیحت ہونگے  
 جس طرح لڑکیاں میکے سے جہیز لے کر جاتی ہیں۔ دنیا کے میکے کا جہیز اپنے اپنے  
 عمل ہیں جو آدمی کے ساتھ جاتے ہیں۔ حُسن آرا بگیم میں جانتی ہوں کہ ان دنوں  
 تمہارے دل میں عجب عجب طرح کے خیالات گذرتے ہوں گے کہ یہ کیا ہو  
 رہا ہے اور کیا ہوگا مگر اپنے خیالات کو ذرا ادنیٰ کرنا اور اپنی نظر کو  
 تھوڑا اور آگے بڑھاؤ۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کیا چیز

ہے کس لیے ہم یہاں آئے ہیں کیا ہم کہہ رہے ہیں اور انجام کار کیا ہونا ہے۔  
جس طرح تمہارے میکے رہنے کے دن پورے ہو چکے ہر شخص کے واسطے ایک  
دن وہ بھی ہوگا کہ اس کی مدت حیات تمام ہو جائے گی۔

آدسب مل کر اس وقت خدا کی درگاہ میں دعا کریں کہ ہم سب کو نیک  
عمل کی توفیق دے (ہر طرف سے آمین آمین کا شور ہوا) دنیا کے میکے اور سرزمین  
تو چند روزہ باتیں ہیں، الہی اس جہان میں جہاں سدا سدا کو رہنا ہے پر وہ  
رکھ لیجیو اور فضیحت مت کیجیو (سب نے پکار کر کہا آمین آمین)

الہی یہ تیری کینز جس کو ہم لوگ حسن آرا بیگم کہہ کر پکارتے ہیں منزل دنیا  
جس کو تیرے حکم سے ہم سب ملے کہہ رہے ہیں شروع کرنے والی ہے۔ تیرا  
فضل و کرم اس کا حافظہ۔ تیری توفیق اس کا بدرتہ تیری عنایت و مہربانی  
اس کی زاوراہ ہو (سب کو وقت ہوئی اور سب نے کہا آمین) اس کے  
بعد اُستانی جی نے اٹھ کر حسن آرا کو دیر تک گلے لگا کر پیار کیا اور آہستہ  
آہستہ کوئی دعا پڑھ کر حسن آرا پر دم کی اور دروازے تک ساتھ لے جا کر  
پالکی میں سوار کرادیا اور مجلس تمام ہوئی۔

تمت بالخیر



## خاتمہ

دانتالوں میں وہی داستانِ فائق ہے جو مشخون بچہ حضرت خالق ہے اور فسالوں میں وہی فسانہ لائق ہے جو مقرون بہ ثنائے جنابِ رسول سرورِ خلاق ہے مگر انسان ضعیف البیان کو کہاں پیرا کہ شہدہ بھر بھی اس کا بیان کرے۔ اتہنا اس کی یہی ہے کہ عجز و تصور کا ہر دم دم بھرے۔ بعد اس کے واضح ہو کہ اس جہن لے خزاں پورا زلالہ رجاں مجرورہ نکتہ تباہے لطیف متضمن بہ نصائح و حکایات شریف یعنی نسخہ نباتات لغتش نے کہ جس کا ہر ہر فقرہ انتخاب ہے جو جملہ ہے لاجواب ہے اور کیوں نہ ہوتا زک خیال شریں مقال جناب مولوی نذیر احمد صاحب نے یہ قصہ ہی عجیب و لطیف تالیف فرمایا ہے کہ کمال فصاحت و بلاغت سے ہر شخص کے دل کو بھایا ہے حسنِ تقریر نے عجب جلوہ دکھایا ہے اور لطف یہ کہ پند و مواعظ کے ضمن میں محذرات محاورات نساہ کو اس خوبی سے حلقہ بیان پہنایا ہے کہ ہر کس و ناکس کلمہ تخیسین زبان پر لایا ہے عرائس مقصود و نصائح حسن انتظام معاش و معاد کو اریکہ افسانہ پر لا بٹھایا ہے۔

1



